ستمبر ۱۹۹۴ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

عالمی احیاء خلافت کانفرنس

کی روداد اور عالم عرب کی نئی احیائی تحریک حزب التحریر کے افکار و نظریات

امیر تنظیم اسلامی کا ۱۹ اگست کا خطاب جمعہ

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

اعلان داخلہ

----------(۱)----------

ایک سالہ "رجوع الی القرآن" کورس

قرآن کالج لاہور میں ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس میں داخلوں کا آغاز ہو چکا ہے۔ وہ اصحاب جو اپنی کالج اور یونیورسٹی کی تعلیم مکمل کر چکے ہوں اور اب بنیادی دینی علم حاصل کرنے' بالخصوص عربی زبان کی تحصیل اور قرآن حکیم کو سمجھ کر پڑھنے کے خواہاں ہوں وہ اس کورس سے ضرور استفادہ کریں۔ یہ کورس بنیادی طور پر گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ حضرات کے لئے ترتیب دیا گیا ہے' تاہم استثنائی صورتوں میں انڈر گریجویٹ اصحاب کو بھی داخلہ دیا جا سکتا ہے۔

☆ داخلے کیلئے انٹرویو اور تدریس کا آغاز' ان شاء اللہ ستمبر کے آخری ہفتے میں ہو گا۔

☆ داخلہ فارم موصول ہونے پر درخواست گزار کو انٹرویو کی تاریخ سے بذریعہ ڈاک مطلع کر دیا جائے گا۔

داخلے کے خواہشمند حضرات تفصیلات کے لئے پندرہ روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر پراسپکٹس طلب کریں۔

----------(۲)----------

بی اے تربیتی سال

قرآن کالج لاہور میں بی اے تربیتی سال کے لئے بھی داخلے جاری ہیں۔

☆ بی اے کے طلبہ کے لئے کمپیوٹر کی تعلیم کی بلا معاوضہ سہولت فراہم کی گئی ہے۔

☆ انٹر کے نتیجے کے منتظر طلبہ بھی داخلے کے لئے درخواست دے سکتے ہیں۔

☆ داخلہ فارم جمع کرانے کی آخری تاریخ ۲۲ ستمبر ہے۔

☆ داخلہ فارم موصول ہونے پر انٹرویو کی تاریخ کی اطلاع بذریعہ ڈاک دی جائے گی۔

پندرہ روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر داخلہ فارم اور پراسپکٹس طلب کریں۔

المعلن : پرنسپل قرآن کالج لاہور' 191۔ اتاترک بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

جلد: ۴۳
شمارہ: ۹
ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ
ستمبر ۱۹۹۴ء
فی شمارہ ۷/-
سالانہ زرتعاون ۷۰/-

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

برائے سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات اور بھارت ۴۵ سعودی ریال یا ۱۲ امریکی ڈالر

یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک جاپان وغیرہ۔ ۱۶ امریکی ڈالر

شمالی و جنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ۔ ۲۰ امریکی ڈالر

ایران، عراق، اومان، مسقط، ترکی، شام، اردن، بنگلہ دیش، مصر۔ ۹ امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ادارہ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن

حافظ عاکف سعید

حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰۔ فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

سب آفس: ۱۱۔ داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی۔ فون: ۲۱۶۵۸۶

پبلشر، ناظم مکتبہ، مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرض احوال ——— ۳

حافظ عاکف سعید

☆ تذکرہ و تبصرہ ——— ۵

عالمی احیاء خلافت کانفرنس کی روداد' اور "حزب التحریر" کے افکار و نظریات

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ تفکر و تدبر ——— ۴۱

نیا عالمی استعمار اور عالم مشرق

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ الہدیٰ (قسط : ۹۳) ——— ۵

نبی اکرمؐ کی حیات طیبہ میں قتال فی سبیل اللہ کا آغاز (۲)

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ افکار و آراء ——— ۵۷

○ آپ سیکولر ہیں یا مسلمان؟ (از قلم مختار حسین فاروقی)

○ سیکولر سیاست دان اور مذہبی رہنما متوجہ ہوں! (چوہدری رحمت اللہ بٹر)

☆ روداد سفر ——— ۶۱

دیار مغرب میں ۵۸ دن۔ امیر تنظیم اسلامی کے دورۂ امریکہ و لندن کی روداد

آصف حمید / ڈاکٹر ابصار احمد

☆ رفتار کار ——— ۷۷

○ کراچی میں نقباء کی ایک روزہ تربیت گاہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ۱۵/ اگست کو امریکہ اور لندن کے سفر سے پاکستان واپس پہنچے۔ امیر تنظیم کا یہ دورہ اگرچہ دو ماہ کے طویل دورانیئے پر مشتمل تھا لیکن اس اعتبار سے نہایت "محدود" تھا کہ یہ مغربی دنیا کے صرف دو مقامات بلکہ دو شہروں میں منحصر رہا۔ ابتدائی ڈیڑھ ماہ امیر محترم کا امریکہ میں نیویارک / نیو جرسی کے علاقے میں گزرا جہاں ٹی نک کی جامع مسجد میں لگاتار تیس دن دو دو اور تین تین گھنٹے روزانہ درس قرآن دے کر امیر محترم نے مطالعۂ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کی انگریزی زبان میں منتقلی اور ان کے دروس کو ریکارڈ کروانے کا نہایت مشقت آمیز اور کٹھن کام سرانجام دیا جس کا تقاضا بار بار امریکہ میں مقیم رفقاء و احباب کی جانب سے شدت کے ساتھ آتا تھا۔ بعد ازاں قریباً دس دن امیر تنظیم کا لندن میں قیام رہا جہاں انہیں ۷/ اگست کو عالم عرب کی انقلابی تحریک "حزب التحریر" کے زیر اہتمام انٹرنیشنل خلافت کانفرنس سے خطاب کرنا تھا۔

یہ کانفرنس اس اعتبار سے بہت اہمیت اختیار کر گئی تھی کہ یہودیوں نے اسے رکوانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ یہود کے علاوہ بعض مسلمان اور کچھ غیر مسلم حکومتیں بھی کانفرنس کے انعقاد کی راہ میں روڑے اٹکاتی رہیں۔ چنانچہ آخری وقت تک غیر یقینی کی فضا برقرار رہی۔ تاہم اس سب کے علی الرغم کانفرنس اپنے مقررہ وقت پر منعقد ہوئی اور حسب توقع نہایت بھرپور اور کامیاب رہی۔ "حزب التحریر" سے وابستہ نوجوانوں کے جوش و جذبے اور ولولہ انگیز تقاریر نے لندن ہی کو نہیں پوری مغربی دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ (اس کانفرنس کے انعقاد پر مغربی پریس نے جس انداز میں تبصرے کئے اور جہاد و انقلاب کی باتیں کرنے والوں سے جس طرح اپنے لئے خطرہ محسوس کیا' اس کی تفصیل ایک مبسوط رپورٹ کی صورت میں ندائے خلافت کے تازہ شمارے میں جس پر ۲۹/ اگست کی تاریخ درج ہے' شائع ہو گئی ہے)۔ اس کانفرنس میں امیر تنظیم نے اپنے پچاس منٹ کے خطاب میں انقلاب کے طریق کار (Methodology) اور نبوی منہج انقلاب پر روشنی ڈالی۔ لندن آمد کا اصل مقصد تو اگرچہ اس کانفرنس میں شرکت ہی تھا' تاہم امیر محترم کے اس

دورے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہاں کے رفقاء و احباب نے لندن اور اس کے نواحی علاقوں میں دروس و خطابات کے کئی پروگرام ترتیب دیئے۔ اس موقع پر کئی نئے ساتھی تنظیم میں شامل ہوئے جن کی شمولیت سے مقامی تنظیم کو خاصی تقویت ملی۔ امریکہ اور لندن کے اس حالیہ دورے کی قدرے مفصل رپورٹ "روداد سفر" کے عنوان سے زیر نظر شمارے میں شامل ہے۔

پاکستان کی داخلی سیاست میں اپوزیشن لیڈر جناب نواز شریف صاحب کے اس اعلان سے کہ ہم ایٹم بم بنا چکے ہیں' ایک زلزلے کی سی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ عالمی پریس میں بھی اس حوالے سے بھانت بھانت کی باتیں کہی جا رہی ہیں۔ نواز شریف صاحب کے بیان کے حق میں اور اس کی مخالفت میں بیانات کا ایک انبار جمع ہو چکا ہے جس کے لئے اخبارات کے صفحات ناکافی ثابت ہو رہے ہیں۔ ۲۶/اگست کے خطابِ جمعہ میں امیر تنظیم اسلامی نے بیرون ملک سفر سے واپسی کے بعد پہلی بار ملکی حالات کے بارے میں اظہارِ خیال فرمایا اور نواز شریف صاحب کے اس بیان پر بھی نہایت بھرپور اور متوازن تبصرہ کیا۔ قارئین یقیناً اس بارے میں امیر تنظیم کے خیالات جاننے کے مشتاق ہوں گے۔ ان کی سہولت کے لئے ہم ذیل میں اس خطاب جمعہ کا مکمل پریس ریلیز درج کئے دیتے ہیں کہ ملکی حالات کے بارے میں تنظیم اسلامی کے موقف کی ترجمانی بھی اسی پریس ریلیز کے ذریعے ہوتی ہے :

لاہور : ۲۶/اگست۔ امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ سابق وزیراعظم نواز شریف نے ایٹم بم کی موجودگی کا دھماکہ خیز اعلان کر ہی دیا ہے تو اب حکومت پاکستان کو بھی اس حقیقت کا کھل کر اعتراف کر لینا چاہئے کیونکہ بارہ کروڑ مسلمانوں کے ملک کو قومی سطح پر جھوٹ بولنا زیب نہیں دیتا۔ مسجد دارالسلام باغ جناح میں اجتماع جمعہ سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہم میکیاولی اور چانکیہ کے پیروکار نہیں جن کے نزدیک سیاست میں جھوٹ اور دھوکہ روا ہے بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرنے والے ہیں جنہوں نے دشمنوں سے اپنے منصوبوں کو خفیہ رکھنے کی تو ہدایت بھی فرمائی ہے لیکن راز کھل جائے تو جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں دی۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ میں تو پہلے ہی اس بنیاد پر ان حضرات سے اتفاق کا اظہار کر چکا تھا جو پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کا اعتراف کرنے کا مشورہ دیتے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے کھلے اور چھپے

(باقی صفحہ ۷۵ پر)

عالمی احیاءِ خلافت کانفرنس

کی روداد اور اس کی روحِ رواں عالمِ عرب کی نئی احیائی تحریک "حزب التحریر" کے افکار و نظریات

امیر تنظیم اسلامی کا ۱۹ اگست کا خطاب جمعہ

خطبۂ مسنونہ، سورۃ النور کی آیت ۵۵ اور سورۂ آل عمران کی آیت ۶۴ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

آپ حضرات سے اس مسجد میں آخری ملاقات ۱۰/ جون کو ہوئی تھی۔ گویا کہ آج پورے سوا دو ماہ کے بعد اس مسجد میں پھر ملاقات ہو رہی ہے۔ ۱۷/ جون کا جمعہ میں نے جامع القرآن قرآن اکیڈمی کراچی میں پڑھایا تھا۔ الحمدللہ اب وہاں مسجد کا ہال تیار ہو گیا ہے جو اپنے سائز میں یہاں کی قرآن اکیڈمی کی جامع مسجد سے تین گنا بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمارا یہ دعوتِ قرآنی کا سلسلہ بھی تدریجاً آگے بڑھ رہا ہے، اور اسی کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اب جبکہ کراچی میں بھی قرآن اکیڈمی پوری طرح فنکشنل ہو گئی ہے تو وہاں دینی تعلیم کا ایک سالہ کورس بھی باضابطہ جاری ہے اور مسجد بھی نہایت عالی شان بن گئی ہے۔ ۱۸/ جون کو میں کراچی سے نیویارک گیا تھا۔ چنانچہ ۶ جمعے نیویارک یا نیوجرسی کے علاقے کی مختلف مساجد اور اسلامک سینٹرز میں ادا ہوئے اور وہاں جمعہ کی نماز میں خطاب ہوا۔ پھر ۵/ اور ۱۲/ اگست کے دو جمعے لندن کی دو مساجد میں ادا ہوئے۔

حالیہ دورۂ امریکہ کی خصوصی نوعیت

میرا اس مرتبہ کا سفرِ امریکہ بہت ہی مخصوص نوعیت کا تھا۔ اگرچہ یہ میرا وہاں کا سولہواں یا سترہواں سفر تھا--- کیونکہ ۱۹۷۹ء میں پہلی مرتبہ جانا ہوا تھا، اور پھر قریباً ہر سال

ہی جانا ہوا ہے' غالباً دو مرتبہ ایسا ہوا کہ جانا نہیں ہوا اور دو یا تین مرتبہ سال میں دو دو مرتبہ جانا ہوا' اس اعتبار سے یہ سولہواں یا سترہواں سفر تھا---- لیکن ایک تو اس اعتبار سے یہ بہت ہی مختلف نوعیت کا تھا کہ میں صرف ایک شہر میں مقیم رہا' ورنہ اس سے پہلے مشرق' مغرب' شمال اور جنوب میں امریکہ اور کینیڈا کے مختلف شہروں میں جانا ہوتا تھا' لیکن اِس دفعہ میں ارادہ ہی یہ لے کر گیا تھا کہ مطالعۂ قرآنِ حکیم کے جس منتخب نصاب پر ہم نے اپنی اس پوری تحریک اور دعوت کی بنیاد رکھی ہے' اس کا انگریزی میں ایک درس ریکارڈ کرا دیا جائے۔ اس کا مطالبہ وہاں بہت عرصہ سے تھا' اس لئے کہ ایک تو وہاں پر مختلف علاقوں اور نسلوں کے مسلمان آباد ہیں' عرب مسلمان بھی ہیں' لوکل افرو امریکن بھی ہیں' American Converts بھی ہیں یعنی گورے جو ایمان لائے ہیں' اگرچہ یہ تعداد میں کم ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ اردو میں ان سب تک اپنی بات پہنچانی ممکن نہیں ہے۔ پھر جو لوگ پاکستان اور ہندوستان سے وہاں جا کر آباد ہوئے ہیں یہ لوگ تقریباً ساٹھ کی دہائی سے جانے شروع ہوئے تھے اور ساٹھ اور ستر کی دو دہائیوں میں بڑی کثرت کے ساتھ لوگ یہاں سے وہاں گئے ہیں اور اب ان کی اگلی نسل جو وہاں پر تعلیم پا کر پروان چڑھی ہے وہ اردو سے بس اتنی سی واقفیت رکھتی ہے جتنی گھر کی چار دیواری میں روز مرہ کی ضروریات کے لئے ناگزیر ہوتی ہے۔ مثلاً کھانا کھالو اور پانی پی لو۔ اس سے زیادہ اردو تو ان کو آتی ہی نہیں۔ کجا یہ کہ اردو میں کوئی ادبی یا دینی بات اور وہ بھی ثقیل دینی اصطلاحات کے ساتھ سمجھنا' یہ ان کے لئے ناممکن ہے۔ چنانچہ ان کی طرف سے انگریزی میں دروسِ قرآن کا شدید تقاضا تھا' لیکن میری طبیعت اس پر آمادہ نہیں ہوتی تھی' اس لئے کہ مجھے تو انگریزی میں گفتگو کا بھی محاورہ نہیں ہے' کجا یہ کہ درس و تقریر کا معاملہ ہو۔ لیکن پچھلی مرتبہ جو میرا امریکہ جانا ہوا (اور یہ سال ان سالوں میں سے تھا جن میں میرا دو بار امریکہ جانا ہوا) تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خصوصی بات یہ ہوئی کہ میں نے محسوس کیا کہ میں کسی نہ کسی درجے میں انگریزی میں اپنی بات لوگوں تک پہنچا سکتا ہوں' اگرچہ جو اطمینان اردو میں اپنی بات منتقل کر کے اور اپنا مافی الضمیر واضح کرنے میں ہوتا ہے وہ انگریزی میں نہیں ہو سکتا۔ بہرحال میں نے سوچا کہ "Some thing is better than nothing" کے مصداق اگر کسی

درجے میں بھی قرآن کا بنیادی فکر اور اس کی اصل حکمت مطالعۂ قرآنِ حکیم کے منتخب نصاب کے حوالے سے ایک مربوط انداز میں لوگوں کے سامنے آجائے اور قرآن کی دعوت لوگوں تک پہنچے تو یہ نہ ہونے سے تو بہتر ہوگا۔

اِس سال چونکہ میں خاص طور پر اسی پروگرام کے تحت گیا تھا لہٰذا ڈیڑھ ماہ میں صرف نیویارک ہی میں مقیم رہا ہوں اور وہاں ایک مسجد میں، جو باقاعدہ مسجد ہی کے طور پر تعمیر ہوئی ہے، یہ پروگرام رکھا گیا تھا۔ وہاں عام طور پر تو یہ ہوتا ہے کہ ابتداء میں کسی مکان ہی کو مسجد بنا لیتے ہیں، یا کوئی چرچ خرید اور اسے مسجد میں "Convert" کر لیا گیا۔ لیکن اب بہرحال امریکہ میں بھی اور انگلستان میں بھی باضابطہ مساجد موجود ہیں جو مساجد ہی کے طور پر تعمیر ہوئی ہیں۔ تو ہمارا یہ پروگرام ٹی نیک (Teaneck) جو مین ہٹن کے ساتھ ملحق مقام ہے وہاں کی مسجد میں رہا جو بہت ہی عمدہ مسجد ہے۔ الحمدللہ کہ وہاں ابتداء میں میرے دو دروس روزانہ اور اس کے بعد تین دروس روزانہ ہوتے رہے اور اس طرح مطالعۂ قرآن حکیم کا منتخب نصاب تقریباً تین چوتھائی مکمل کر لیا گیا۔ اب میں سمجھتا ہوں کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے ہماری اس دعوتِ قرآنی کو بھی تقویت حاصل ہوگی۔ اور چونکہ امریکہ کو اِس وقت دنیا میں مرکزی حیثیت حاصل ہے اور تمام دنیا کے لوگ وہاں موجود ہیں، مثلاً اس مرتبہ بہت سے افریقی نوجوان ہمارے بہت قریب آئے ہیں اور انہوں نے اپنے اپنے ملکوں میں اس بات کو پہنچانے کا عزم ظاہر کیا ہے، تو میں سمجھتا ہوں کہ انگریزی میں یہ دروس کا یہ سلسلہ اس کا ذریعہ بن جائے گا کہ ہمارا یہ پیغام بڑے پیمانے پر دنیا کے کونے کونے تک پہنچ سکے۔

عالمی احیاءِ خلافت کانفرنس میں شرکت

اس کے بعد جو میری لندن واپسی ہوئی ہے وہ اصل میں ایک خصوصی دعوت کے نتیجے میں تھی۔ کئی ماہ پہلے سے مجھ سے وہاں منعقد ہونے والی "عالمی احیاءِ خلافت کانفرنس" میں شرکت کا وعدہ حاصل کر لیا گیا تھا جس کا اب یہاں پر بھی کافی شہرہ ہو چکا ہے۔ تو مجھے دراصل امریکہ سے فوری طور پر لندن اس کانفرنس ہی کی وجہ سے واپس آنا پڑا، اس لئے کہ ۷/ اگست کو وہاں کانفرنس تھی، ورنہ امریکہ میں میرے گھٹنوں کی تکلیف بہت بڑھ گئی تھی اور

آپریشن کا پروگرام بن گیا تھا' لیکن آپریشن کے بعد بڑی غیر یقینی سی بات ہوتی ہے۔ ویسے تو مجھے امید تھی کہ آپریشن کے بعد میں واپس لندن آسکوں گا' لیکن مشورہ یہی دیا گیا کہ ہو سکتا ہے آپریشن کے بعد کوئی پیچیدگی پیدا ہو جائے' تو پھر اس کانفرنس میں شرکت ممکن نہیں رہے گی۔ میرا چونکہ ان حضرات سے پختہ وعدہ تھا جو یہ کانفرنس منعقد کر رہے تھے' لہٰذا میں نے اپنے اس آپریشن کو ملتوی کیا اور اپنے وعدے کو پورا کرنے کے لئے بروقت لندن پہنچا۔

اِس عالمی خلافت کانفرنس کا انعقاد "حزبُ التحریر" کی جانب سے کیا گیا تھا جو ایک نئی دینی احیائی تحریک ہے جس کے بارے میں' میں آج کچھ باتیں بعد میں عرض کروں گا۔ ان حضرات سے میرا تعارف امریکہ ہی میں آج سے چار یا پانچ سال قبل ہوا تھا' لیکن اُس وقت تک جو بات میں نے سمجھی تھی وہ کچھ یہ تھی کہ یہ زیادہ تر عرب نوجوان ہیں' اور عربوں میں بھی خاص طور پر فلسطینی اور اردنی نوجوان اس میں شامل ہیں۔ ان حضرات میں دین کے لئے جوش و جذبہ بے پناہ ہے۔ ان بہت سی باتوں میں جن سے مجھے ان حضرات کے ساتھ اتفاق تھا اہم ترین یہ تھی کہ ان کا بنیادی فکر تقریباً وہی تھا جو ہمارا ہے۔ البتہ بعض چیزوں میں اختلاف بھی تھا' اور وہ اختلاف بھی میں بیان کروں گا لیکن اس کی نوبت شاید آج نہ آسکے اور اسے اگلے جمعہ تک ملتوی کرنا پڑے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ اتفاق کی باتیں بھی واضح ہو جائیں اور اختلاف بھی واضح ہو جائے۔ اس سلسلے میں بعض امور پر میں ان کے ذمہ دار لوگوں سے گفتگو بھی کر کے آیا ہوں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جہاں تک جوش و جذبے اور خلوص و اخلاص کا تعلق ہے میں بہت متأثر ہوا ہوں۔ یہ سب کے سب یا تو یونیورسٹیوں کے طالب علم ہیں یا اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان ہیں اور ان میں دین کے لئے شدید تڑپ موجود ہے۔ ان لوگوں کو دین کے ساتھ صرف زبانی کلامی نہیں عملی لگاؤ بھی ہے۔ ان کی وضع قطع' شکل و صورت اور گفتگو میں نظر آتا تھا کہ دین کے ساتھ ان کی بڑی گہری وابستگی ہے۔

اس کانفرنس پر مخالفانہ ردعمل بھی میرے علم میں بہت جلد آچکا تھا۔ چنانچہ ایک صاحب جو میرے عزیز بھی ہیں اور بہت پرانے تعلق والے بھی' اور سعودی عرب کی طرف سے مبعوث ہو کر انگلستان میں دینی خدمت پر مامور ہیں وہ خاص طور پر مجھ سے ملنے کے لئے آئے اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ اس کانفرنس میں شرکت نہ کریں' اس لئے کہ ان

لوگوں کے عقائد درست نہیں ہیں اور یہ بہت تخریبی قسم کے لوگ ہیں۔ وہ اپنے ہمراہ ان کے بارے میں عربی زبان میں ایک تحریر بھی لے کر آئے تھے جو ان کے عقائد کے بارے میں چھپی تھی۔ اسے سرسری طور پر دیکھنے سے مجھے محسوس ہوا کہ اس میں کوئی بات بنیادی نہیں ہے' بلکہ محض تعبیرات کے اختلافات ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی بڑی بات مجھے نظر نہیں آئی۔ چنانچہ میں نے ان صاحب سے یہی عرض کیا کہ ان لوگوں نے مجھے دعوت دی ہے جو میں نے قبول کی ہے۔ اور مجھے تو وہاں جاکر اپنی بات کہنی ہے۔ فرض کیجئے کہ ان کی کوئی بات اگر غلط بھی ہے تو میں اس کی تردید کروں گا۔ میں ان کی بات کہنے کے لئے نہیں' بلکہ ان کی دعوت پر جارہا ہوں اور اس ضمن میں جو میری رائے ہے میں وہی پیش کروں گا۔ بہرحال وہ کچھ بددل سے بھی ہوئے' کیونکہ ان کا خیال تھا کہ میں ان کے مشورے کو قبول کرتے ہوئے اس کانفرنس میں شریک نہیں ہوں گا۔ اس کے بعد ہمارے ایک ساتھی کو ایک خط موصول ہوا۔ چھ سات صفحات پر مشتمل انگریزی زبان میں تحریر شدہ یہ خط دراصل ان کے ایک دوست کو آیا تھا ان کے کسی اور دوست کی طرف سے جو انگلستان میں ہیں۔ انہوں نے بھی اسی طرح کی باتیں بڑی تفصیل کے ساتھ زوردار انداز میں لکھی تھیں کہ یہ کانفرنس جن لوگوں کے زیر اہتمام ہو رہی ہے یہ بہت غلط قسم کے لوگ ہیں' ان کے ساتھ آپ کا تعاون صحیح نہیں ہے اور آپ کو اس کانفرنس میں شرکت نہیں کرنی چاہئے۔ انہوں نے بھی جو باتیں لکھیں وہ تقریباً وہی تھیں' یعنی بعض اعتقادی معاملات سے متعلق' جن کی حیثیت میرے نزدیک تعبیرات کے فرق سے زیادہ نہیں۔ اس کے علاوہ کوئی بنیادی بات نظر نہیں آئی۔ لیکن یہ دیکھ کر ماتھا ٹھنکا کہ انہوں نے لکھا تھا کہ میرا نام کہیں ظاہر نہ کردیا جائے ورنہ یہ لوگ مجھے قتل کردیں گے۔ اس سے یہ اندازہ ہوا کہ معاملہ کچھ بہت ہی خطرناک ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ کچھ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں "حزب التحریر" کے نوجوانوں' اور دوسرے مذہبی حلقوں (جو رابطہ عالم اسلامی وغیرہ کے زیر اثر ہیں) کے درمیان بڑی چپقلش اور تصادم کی فضا پائی جاتی ہے۔ لیکن دوسری طرف تنظیم اسلامی لندن کے رفقاء' جو اگرچہ معدودے چند ہیں' ان کی طرف سے بار بار پیغام آرہا تھا کہ آپ کانفرنس میں ضرور شریک ہوں اور یہ کہ "حزب التحریر" کے بارے میں جو پروپیگنڈہ ہے وہ غلط ہے' ہم نے

ان نوجوانوں کو قریب سے دیکھا ہے اور ان کا جوش و جذبہ اور خلوص و اخلاص ان چیزوں سے بالاتر ہے۔ تو اس طرح کی متضاد باتیں تھیں جو میرے سامنے آ رہی تھیں۔ بہرحال میں تو ان سے بہت پہلے وعدہ کر چکا تھا جو اپنے اس تعارف کی بنیاد پر تھا جو پچھلی مرتبہ امریکہ میں ان کے قائدین سے براہ راست مل کر ہوا تھا۔ یہ ساری "Controverry" تو بعد میں میرے علم میں آ رہی تھی۔

پھر میں ابھی امریکہ ہی میں تھا کہ معلوم ہوا کہ پاکستان کے اخبارات میں بھی بڑا چرچا ہے کہ اس کانفرنس کی بڑی مخالفت ہو رہی ہے' شاید اس پر پابندی لگ جائے۔ پھر امریکی اخبارات میں بھی اس کا تذکرہ آنا شروع ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی بہت ہی اہم معاملہ بن گیا ہے جو اس طریقے سے بین الاقوامی سطح پر اس کا مثبت یا منفی انداز میں نوٹس لیا جا رہا ہے۔ میں کچھ حیران بھی تھا کہ مسئلہ ہے کیا؟ تفاصیل کا علم نہیں تھا۔ تو اس طرح کی کیفیت میں میں لندن پہنچا۔

دورۂ لندن کے بعض خوشگوار تاثرات

میں چار اگست کو لندن پہنچا تھا۔ لندن کے بارے میں چند باتیں میں اس کانفرنس سے ہٹ کر بھی عرض کرنا چاہتا ہوں' اس لئے کہ میرا لندن کا یہ سفر چار سال بعد ہوا ہے۔ اس عرصہ میں امریکہ آمد و رفت رہی ہے لیکن لندن جانا نہیں ہوا۔ اور یہ بات بتا دینے میں بھی مجھے کوئی عار نہیں ہے کہ چونکہ یورپ بالخصوص انگلستان میں مسلمان آپس میں فرقہ وارانہ اختلافات میں مبتلا ہیں' اس وجہ سے میرا جی وہاں جانے کو نہیں چاہتا تھا۔ پھر یہ کہ میرا جب بھی وہاں جانا ہوا ہے وہاں کے "Intellectual" طبقے سے رابطے کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکی تھی' لہٰذا کچھ انقباض سا تھا اور میں وہاں جانا نہیں چاہتا تھا۔ اب اس کانفرنس کے موقع پر جو لندن گیا ہوں تو میں نے چند اہم باتیں نوٹ کی ہیں جو میں آپ کے علم میں لا رہا ہوں۔

پہلی بات میں نے یہ محسوس کی کہ چار سال کے عرصہ میں لندن کی قلبِ ماہیت اس معنی میں ہو چکی ہے کہ اب وہ انگریزوں کا شہر نظر نہیں آتا۔ اگر آپ لندن شہر سے باہر

مضافاتی بستیوں (suburbs) میں نکل جائیں تب تو آپ کو معلوم ہو گا کہ آپ انگلستان میں ہیں' لیکن لندن میں رہتے ہوئے قطعاً احساس نہیں ہوتا کہ آپ انگلستان میں یا انگریزوں کے ملک میں ہیں' بلکہ اب وہاں پر ہر طرح کے لوگ آباد ہیں' خاص طور پر ہندوستانی' پاکستانی' ترک اور افریقی ممالک اور ویسٹ انڈیز کے لوگ ہیں' اور میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت لندن میں بحیثیت مجموعی ان کا غلبہ ہو چکا ہے۔

دوسری بات یہ نظر آئی کہ اب وہاں مساجد باقاعدہ مساجد کی حیثیت سے تعمیر ہو رہی ہیں۔ اس سے پہلے وہاں صرف دو مساجد ایسی تھیں۔ ایک تو "ووکنگ" کی بہت پرانی مسجد جو لندن سے تقریباً بیس میل باہر ایک suburb میں ہے۔ یہ بھوپال کی نواب صاحبہ نے بنوائی تھی' جو بڑی چھوٹی سی مسجد ہے۔ اس مسجد پر قادیانیوں نے قبضہ کر لیا تھا اور وہاں بہت عرصہ تک قادیانیوں کا مرکز رہا ہے' لیکن مجلس تحفظ ختم نبوت کا یہ بڑا کارنامہ ہے کہ انہوں نے کوشش کر کے یہ مسجد واگزار کرائی اور اس پر سے قادیانیوں کا قبضہ ختم کرایا۔ اب یہ مسجد اہل سنت خاص طور پر تحفظ ختم نبوت کے کارکنوں کے زیر تحویل ہے۔ اس مرتبہ میں خاص طور پر سفر کر کے وہاں گیا اور ظہر کی نماز اس مسجد میں ادا کی۔ اس کے علاوہ ایک "ریجنٹ پارک" کی مسجد تھی' جو دراصل حکومتی سطح پر مختلف مسلمان ممالک نے چندہ جمع کر کے تعمیر کی تھی۔ وہ بہرحال مرکزی مقام پر بڑی شاندار مسجد ہے۔ لیکن اس کا انتظام و انصرام سعودی عرب اور مصر کی حکومتی پالیسی کے مطابق چل رہا تھا۔ مقامی لوگ چاہیں تو وہاں جا کر نماز پڑھ لیں اور کبھی کبھی ان کی اجازت سے کوئی خاص اجتماعات منعقد کر لیں' لیکن اس کے انتظامی معاملات میں وہاں کے لوکل مسلمانوں کو کوئی عمل دخل حاصل نہیں تھا۔ اس کے علاوہ تو یہی تھا کہ کہیں کسی Basement میں اور کہیں کسی فلیٹ کے اندر نماز کے لئے جگہ مخصوص کر کے اسے مسجد کی حیثیت دے دی گئی۔ لیکن اس مرتبہ میں وہاں کی مساجد دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اور ان کے لئے وہاں خاص طور پر "Purposely built Mosques" کی اصطلاح سننے میں آئی۔ یعنی ایسی مسجدیں جو باقاعدہ طور پر مسجدوں ہی کی حیثیت سے تعمیر ہوئی ہیں۔ ان میں سے چار کو تو میں نے بھی دیکھا' جو نہایت شاندار مسجدیں نظر آئیں۔ اور واقعہ یہ ہے کہ میں تصور نہیں کر سکتا تھا کہ

لندن میں اب اس طرح کی مساجد بھی ہیں۔ اس وقت وہاں پر چرچ تو بالکل نہ ہونے کے برابر ہیں، اور جو ہیں بھی تو وہ بالکل غیر آباد ہیں، لیکن اس کے برعکس مسجدوں کے اندر حرکت ہے، ان میں مسلمانوں کی آمد و رفت ہے، جس کو وہاں "Throbbing" کہا جا رہا ہے۔ وہاں کی باقاعدہ مساجد بڑے بڑے گنبدوں کے ساتھ تعمیر ہو رہی ہیں۔ "کرائیڈن" اور "فنزبری پارک" کی مساجد کو دیکھ کر تو میں حیران رہ گیا۔ اسی طرح ساؤتھ آل کی مسجد میں اگرچہ میں جا نہیں سکا، لیکن سنا ہے کہ وہ بھی بڑی شاندار مسجد ہے۔ "ولسڈن گرین" کی عظیم الشان مسجد بھی زیر تعمیر ہے، اس کا ابھی بیسمنٹ بنا ہے، لیکن اس کا ماڈل دیکھ کر میں حیران رہ گیا، بڑے اونچے مینار کے ساتھ وہ مسجد بننے والی ہے۔

تیسری چیز جو خاص طور پر "حزب التحریر" کی میں نے دیکھی وہ یہ ہے کہ نوجوانوں کا ایک طوفان سا نظر آتا ہے۔ اپنے ملک کے حالات سے اگر موازنہ کیا جائے تو یہاں کی صرف دو تحریکیں ایسی ہیں کہ اگرچہ ان کی نوعیت اور ان کا مزاج علیحدہ ہے، لیکن وہ اسی تیزی کے ساتھ آگے بڑھی ہیں۔ میری مراد سپاہ صحابہؓ اور ایم کیو ایم سے ہے۔ سپاہ صحابہؓ ہمارے ہاں جس طرح دیکھتے ہی دیکھتے اٹھی ہے یہ بالکل سامنے کی بات ہے۔ کوئی بیس تیس برس نہیں بلکہ پانچ چھ سال کے اندر اندر یہ ایک قوت بن کر اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔ یہ بھی ایک "Spectecular Phenomenon" ہے، جس کی ہمارے ہاں عام طور پر مثال نہیں ملتی۔ یا یہ کہ بالکل دوسرے انداز میں ایک قومیت کی بنیاد پر یا اپنے دنیوی حقوق کے حصول کے لئے کراچی میں ایم کیو ایم کی تحریک ابھری۔ اس میں بھی نوجوانوں کا عنصر ہے، بزرگوں کا معاملہ نہیں ہے۔ آپ نے دیکھا کہ انتخابات ہوتے ہیں تو کراچی سے نوجوان ہی منتخب ہو کر آتے ہیں، جن کی نہ تو کوئی سرمایہ دارانہ حیثیت ہوتی ہے اور نہ ہی وہ خاندانی یا پشتینی قسم کے کوئی سیاستدان ہیں۔ تو یوں سمجھئے کہ یہ "حزب التحریر" بھی انگلستان میں بالکل اسی انداز میں جنگل کی آگ کی طرح بڑھی ہے۔ اس کی یہ شکل ابھی نہ امریکہ میں ہے، نہ کسی اور ملک میں۔ لیکن انگلستان کا کوئی خاص معاملہ ہے کہ وہاں پر اس تحریک نے باقاعدہ طور پر بڑے ہی پرجوش انداز میں اور بہت بڑے پیمانے پر نوجوانوں کو متحرک کیا ہے اب اس مرتبہ میں نے اس میں ہندوستانی اور پاکستانی نوجوانوں کا غلبہ دیکھا ہے۔ اس کی

قیادت عرب ہے' یا کچھ "Local Converts" ہیں۔ قائدین میں ایک کینیڈین مسلمان جمال ہاروڈ اور ایک برطانوی فرید قاسم ہے۔ وہ بیچارا اگرچہ مفلوج بھی ہے لیکن اس کا جوش اور جذبہ ہم جیسے صحیح سالم لوگوں سے کئی گنا زیادہ ہے۔ اسے اٹھا کر کرسی پر بٹھایا جاتا ہے اور وہ وہیل چیئر پر آتا جاتا ہے' لیکن واقعہ یہ ہے کہ جوش و جذبہ کے اعتبار سے تو معلوم ہوتا کہ ہے اس کے اندر کوئی لاوا ابھرا ہوا ہے' یا بپھرا ہوا طوفان ہے۔ وہ محض روایتی (Traditional) اسلام کے پیروکار نہیں ہیں' بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ میرے علم کی حد تک اس وقت عالم اسلام میں انقلابی (Radical) اسلام کا سب سے زیادہ پُرجوش مظہر یہی حزب التحریر کے نوجوان ہیں۔ باقی یہ کہ "جماعہ اسلامیہ" جو مصر میں سرگرم ہے یا یہ کہ جو کچھ الجزائر میں ہو رہا ہے میں اس کے بارے میں میں اس وقت کچھ نہیں کہہ سکتا' اس لئے کہ ان کا میرا مشاہدہ حال کا نہیں ہے' بڑا پرانا ہے۔ "جماعہ اسلامیہ" کے نوجوانوں کے ساتھ میرا تعارف ۱۹۷۹ء میں ہوا تھا اور ان سے بھی میں بڑا متاثر ہو کر آیا تھا۔ لیکن اپنی اس وقت کی معلومات کے مطابق میں سمجھتا ہوں کہ "Radical" اسلام' اس کا جوش و جذبہ اور زوردار عمل کی کیفیت مجھے سب سے زیادہ نمایاں "حزب التحریر" کے ان نوجوانوں کے اندر نظر آ رہی ہے۔

احیاءِ خلافت کانفرنس اور اس کے تہلکہ خیز اثرات

اب آیئے کانفرنس کے بارے میں چند باتیں میں آپ کو بتا دوں۔ "ویمبلے ایرینا" جہاں پر یہ کانفرنس ہوئی ہے ایک بہت بڑا کنونشن سنٹر ہے' لیکن اس کے بارے میں بھی کچھ لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں۔ اس لئے کہ جس طرح ہمارے ہاں "الحمرا" ہے' اس میں چھوٹا ہال بھی ہے اور بڑا ہال بھی ہے' اب کوئی پروگرام کون سے ہال میں ہو رہا ہے' اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اجتماع کتنا بڑا ہے۔ تو ویمبلے ایرینا کے بھی چھوٹے ہال بھی ہیں۔ اور چھوٹے ہال ہی میں ہمارے ہاں سے ایک دینی شخصیت نے ایک زمانے میں جلسہ کیا تھا جس کی بڑی شہرت ہوئی تھی اور پاکستان سے بھی بہت سے لوگ اس میں شریک ہوئے تھے۔ لیکن یہ خلافت کانفرنس اصل "ایرینا" میں تھی' جو یوں سمجھئے کہ ایک بہت بڑا

covered سٹیڈیم ہے، جس میں بارہ ہزار تو نشستیں ہیں اور اس میں چار ہزار کی مزید گنجائش ہے۔ گویا اس کی capacity سولہ ہزار کی ہے۔ اس کا ایک دن کا کرایہ ۳۶ ہزار پونڈز یعنی قریباً سترہ لاکھ پاکستانی روپے ہے۔ لطف یہ ہے کہ یہ یہودیوں کی ملکیت ہے اور انہوں نے ہی یہ کرایہ پر دیا تھا۔ اس سے آپ کو یہودی ذہنیت کا اندازہ ہو جائے گا کہ کانفرنس کے شدید ترین مخالف بھی وہی تھے اور حکومت پر دباؤ بھی وہی ڈال رہے تھے کہ اس پر پابندی لگائی جائے، لیکن اس کے لئے اپنا ایریا بھی انہی نے کرایہ پر دیا۔ یعنی "دھندہ اپنی جگہ اور نظریہ یا مذہب اپنی جگہ" کا جو خاص اصول دنیا میں رائج ہے اس کا یہ بڑا عجیب نمونہ سامنے آیا۔ "حزب التحریر" والوں نے اس میں شرکت کے لئے تین پونڈ کا ٹکٹ رکھا تھا اور اس کے بارہ ہزار ٹکٹ پیشگی فروخت ہو گئے تھے۔ اس طرح ۳۶ ہزار پونڈز کرایہ تو انہیں وصول ہو چکا تھا۔ ابھی مزید لوگ شرکت کے خواہش مند تھے اور ٹکٹ مانگ رہے تھے، لیکن ظاہر بات ہے کہ وہ اس سے زیادہ ٹکٹ فروخت کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ اس لئے کہ وہاں کی یہودی انتظامیہ کے کچھ قواعد و ضوابط ہیں کہ جب وہ کرائے پر دیتے ہیں تو پھر وہ کنٹرول بھی کرتے ہیں تاکہ انتظام قابو سے باہر نہ ہو جائے۔ چنانچہ وہاں پر ایک دوہرا سا انتظام کا معاملہ چل رہا تھا۔

میں جیسے ہی وہاں پہنچا تو مجھے محسوس ہو گیا تھا کہ پورے ملک میں جوش و خروش بہت ہے اور کانفرنس کا بہت چرچا ہے۔ مخالفت میں، جیسا کہ میں نے عرض کیا، یہودی سب سے آگے تھے۔ عیسائی تنظیموں نے بھی کچھ مخالفت کی لیکن اتنی نہیں۔ یہودی بہت آگے تھے اور انہوں نے یہ پروپیگنڈہ کیا تھا کہ اتنی بڑی تعداد میں اگر مسلمان یہاں جمع ہو گئے تو ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ ہمارے اداروں پر حملے کریں گے اور توڑ پھوڑ کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے اسرائیل سے "خاد" کے ایجنٹ بھی بلا لئے تھے، تاکہ وہ یہودیوں کی املاک کی حفاظت کر سکیں۔ ادھر حکومتی سطح پر فرانس کی حکومت کا شدید دباؤ تھا کہ اس کو "ban" کیا جائے۔ میں پہلے کئی مرتبہ واضح کر چکا ہوں "WASP" یعنی (White Anglo Sexen Protestants) جو عیسائیوں میں یہودیوں کے سب سے بڑھ کر آلہ کار ہیں ان میں سے فرانس بہت نمایاں ہو گیا ہے۔ اس کا ایک خاص سبب یہ بھی ہے کہ الجزائر میں

جو بنیاد پرست مسلمانوں کی ایک ابھرتی ہوئی تحریک ہے تو اس کی زد فرانس پر پڑ رہی ہے کیونکہ الجزائر فرانس کا مقبوضہ علاقہ اور اس کی نو آبادی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے الجزائری فرانس کے اندر موجود ہیں۔ جیسے ہندوستان برطانیہ کی نو آبادی تھا تو ہمارے بہت سے لوگ برطانیہ میں جا کر آباد ہو گئے۔ تو اس اعتبار سے ان لوگوں کو اپنا "Colonization" کا دور منگا پڑ رہا ہے' کیونکہ جو بھی "کالونی" جن کی تھی وہاں کے لوگ وہاں پر آکر آباد ہو گئے۔ اور اب ان کا ایک طرح کا حق ہے وہاں پر رہنے کا۔ ادھر الجزائر میں فرانسیسیوں کو بنیاد پرست مسلمان قتل کر رہے ہیں۔ کانفرنس سے دو دن پہلے وہاں پر چھ فرانسیسی قتل کر دیئے گئے۔ اس پر انہوں نے بڑا شور مچایا کہ ہمارے لوگوں کے ساتھ الجزائر میں یہ ہو رہا ہے اور برطانیہ کی حکومت اپنے ہاں اس طرح کے لوگوں کو کانفرنس کرنے کا موقع دے رہی ہے' لہٰذا ان کا شدید دباؤ تھا کہ اس کو بند کیا جائے۔

اس کانفرنس کے بارے میں مغربی پریس کا کہنا تھا کہ یہ انگلستان کے مسلمانوں کا تاریخ کا سب سے بڑا جلسہ ہو گا' حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ قبل ازیں مسلمانوں کے اس سے کہیں بڑے بڑے جلسے اور اجتماعات یہاں ہوئے ہیں' خاص طور پر تبلیغی جماعت کے اجتماعات خاصے بڑے ہوتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ ان کا کوئی اسی ہزار کا اجتماع بھی وہاں ہوا ہے۔ لیکن چونکہ تبلیغی جماعت کے اجتماعات کے اندر اس طرح کی ہلچل نہیں ہوتی اور ان کا کوئی سیاسی موقف نہیں ہے' اور ان سے کسی کو کوئی خاص اندیشہ نہیں ہے' ان کا مذہبی انداز کا اجتماع ہوتا ہے' لہٰذا ان کے اجتماعات کا کوئی چرچا اخبارات میں یا لوگوں میں یا میڈیا میں اس طریقے سے نہیں ہوتا۔ لیکن حزب التحریر چونکہ ایک ایسی تحریک ہے جس کا کہ ایک سیاسی آؤٹ لک ہے' عالمی سطح پر ان کی آراء ہیں اور یوں سمجھئے کہ بڑی ہی Aggressive قسم کی ان کی آراء ہیں' اس حوالے سے ایسے لوگوں کا اتنا بڑا اجتماع جو ہے' اس کا بہت بڑا چرچا وہاں موجود تھا۔ البتہ وہاں بالفعل حاضری اس اندازے کے مقابلے میں کم رہی تھی۔ ہال کے اندر آٹھ ہزار نشستیں پر تھی اور وہاں کے "پریس" نے بھی صحیح اعداد و شمار دیئے۔ متوقع حاضری میں کمی کے اسباب میں سے ایک تو یہ بات ہوئی کہ چونکہ شور بہت مچ گیا تھا کہ ہنگامہ ہو گا' فساد ہو گا' خاد کے ایجنٹ بھی آگئے ہیں' تو بہرحال

بہت سے لوگوں نے عافیت اسی میں سمجھی ہوگی کہ خواہ مخواہ اس طرح کے ہنگامے والی جگہ پر جاکر اندیشہ اور خطرہ کیوں مول لیا جائے۔ لوگوں کو دور دور سے آنا تھا اور دور سے آنے والے اس طرح کے معاملات میں خطرہ مول نہیں لیتے۔ البتہ کانفرنس کے آغاز کے وقت کثیر تعداد میں لوگ ایسے آگئے تھے جو اس وقت کہہ رہے تھے کہ ہمیں ٹکٹ دیجئے، ہم اندر جانا چاہتے ہیں۔ لیکن ایرینا کی یہودی انتظامیہ کا موقف تھا کہ صرف وہی لوگ جن کو پہلے سے ٹکٹ ایشو ہیں اندر جائیں گے، اب خواہ سیٹیں خالی رہ جائیں لیکن اب ہم کسی کو مزید اندر نہیں جانے دیں گے۔ اگر ان سب کو بھی اندر جانے دیا گیا ہوتا تو اندازہ یہ ہے کہ بارہ ہزار کا یہ ایرینا پر ہو گیا ہوتا۔ ٹکٹ نہ ملنے پر بہت سے لوگ مایوس ہو کر واپس لوٹ گئے۔ اس کے علاوہ ایرینا کے باہر جمع ایک بڑا ہجوم کسی بہت بڑے جشن کا سماں پیش کرتا تھا۔

میڈیا کی کوریج وہاں پر کانفرنس کے انعقاد سے پہلے بھی بہت ہوئی ہے اور بعد میں بھی۔ اس کی وجہ سے کچھ لوگوں کے ذہنوں میں اشکالات بھی پیدا ہوئے ہیں، چہ میگوئیاں ہوئی ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ میڈیا نے اسے اتنا اچھالا ہے؟ اس ضمن میں مختلف باتیں کہی گئی ہیں۔ بعض لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ خود برطانوی حکومت نے اس کانفرنس کی سرپرستی کی ہے۔ اگر ایسا ہوا ہے تو اس کا سبب کیا ہے؟ یہ جو آراء ہیں یہ میں، ان شاء اللہ، بعد میں عرض کروں گا۔

جہاں تک اس کانفرنس کے اثرات کا تعلق ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے ذریعے سے پوری دنیا میں "خلافت" کا لفظ ایک دم بہت عام ہوا ہے۔ یہ پوری دنیا کے میڈیا پر آیا ہے۔ سی این این، بی بی سی ٹیلی وژن اور دوسرے نشریاتی اداروں پر اس کی خوب تشہیر ہوئی ہے۔ ہمارے ہاں یہ لفظ اب عام نہیں رہا تھا، لیکن اللہ کے فضل و کرم سے اس کانفرنس کے ذریعے اس دینی اصطلاح کا خوب چرچا ہوا ہے۔ "خلافت" کی اصطلاح کی سیاسی حیثیت بھی مسلم ہے، یعنی مسلمانوں کا ایک سیاسی نظام پوری دنیا کے اندر ہو۔ اس حوالے سے میں سمجھتا ہوں کہ پوری دنیا میں اس وقت اسلام کے احیاء کا جو ایک ہمہ جہتی عمل چل رہا ہے اس ضمن میں یہ ایک بہت بڑا "Break through" ہے کہ خلافت کے عنوان سے پوری دنیا میں ایک غلغلہ بلند ہوا ہے۔

پھر اس میں میری تقریر کو خصوصی کوریج دی گئی ہے۔ "CNN" نے بھی اسی کو سب سے زیادہ نمایاں کیا ہے اور بعض دوسرے اداروں نے بھی۔ میں یہ نہیں سمجھ پایا کہ اس کا سبب کیا ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ کیونکہ میرا نام پہلے سے کچھ معروف تھا اور ایک تنظیم اور تحریک کے حوالے سے میری شخصیت متعارف تھی، جبکہ باقی سب نوجوان تھے جن میں سے کسی کو کوئی جانتا ہی نہیں "حزب التحریر" کا نام تو لوگ جانتے ہیں، لیکن ان میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کا کوئی ذاتی تعارف بڑے پیمانے پر پہلے سے موجود ہو۔ یہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ میری تقریر کی کوریج سپیشل ہوئی ہے۔ اور ہمیں یہ اطلاع ملی ہے کہ "BBC" نے خاص طور پر نام لے کر کہا ہے کہ "تنظیم اسلامی" یو۔کے اور یونائیٹڈ اسٹیٹس آف امریکہ میں اب اپنے حلقہ اثر کو بڑھا رہی ہے، جس کی وجہ سے یہودیوں میں بڑی بے چینی اور تشویش پائی جاتی ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ہماری جو حیثیت ہے وہ "من آنم کہ من دانم" کے مصداق ہمیں معلوم ہے۔ احیاءِ اسلام کے لئے اپنی سی کوشش بہرحال ہم کر رہے ہیں، لیکن ہماری کوئی ایسی بڑی حیثیت نہیں ہے۔ لیکن بارہا ایسا ہوتا ہے کہ کبھی اللہ تعالیٰ کسی جماعت کو دشمن کی نگاہ میں بڑا کر کے دکھا دیتا ہے اور کبھی کسی کو چھوٹا کر کے دکھا دیتا ہے، جیسا کہ غزوۂ بدر کے بارے میں قرآن حکیم میں "يُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ" کے الفاظ آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کی حیثیت کو بڑھانا چاہتا ہے تو دشمن کی نگاہ میں وہ زیادہ نظر آنے لگتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ بہرحال میں سمجھتا ہوں کہ اس کانفرنس کے ذریعے تنظیم اسلامی کا تعارف بھی بڑے پیمانے پر ہوا ہے۔ لیکن اس کا فوری ردِّ عمل یہ ہوا کہ میرا داخلہ متحدہ عرب امارات میں بند کر دیا گیا، حالانکہ میرے پاس ویزا موجود تھا۔ میں جب دوبئی ائیرپورٹ پر پہنچا تو وہیں پر میرا ویزا کینسل کیا گیا اور مجھ سے کہا گیا کہ آپ واپس تشریف لے جائیے، یہاں آپ کا داخلہ بند ہو گیا ہے۔ یہ دونوں پہلو میں نے اس لئے بیان کر دیئے ہیں کہ قرآن مجید کہتا ہے "فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا"... تو اس طرح کے معاملات میں دونوں چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اگر کوئی ایک راستہ کھلتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ بعض جگہوں پر کوئی کمی بھی واقع ہو۔ بہرحال دعا یہ کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے دین کے

کام کو تقویت عطا فرمائے۔ اشخاص، تنظیمیں اور جماعتیں زیادہ اہمیت کی حامل نہیں ہوتیں۔ ان سب کا مقصد یہی ہے کہ دین کا بول بالا ہو، اور اقامتِ دین کے مقصد میں کامیابی ہو۔ تو اللہ تعالیٰ اس کانفرنس کو اور جن لوگوں نے اس میں حصہ لیا ہے ان کی مساعی کو اس سلسلے میں بار آور فرمائے اور اس کے ذریعے سے احیائے دین کے عمل کو تقویت حاصل ہو۔

"حزبُ التحریر" کا تعارف

اب میں "حزب التحریر" کے حوالے سے کچھ باتیں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ بہت سے حضرات کے لئے یہ نام بھی بالکل نیا ہو گا اور انہوں نے شاید پہلی مرتبہ ان دنوں یہ لفظ سنا ہو۔ "حزب التحریر" کے لفظی معنی "لبریشن پارٹی" کے ہیں۔ ہمارے یہاں "تحریر" کے ایک ہی معنی سمجھے جاتے ہیں۔ تحریر کرنا، لکھنا "to write" ----- لیکن عربی میں "تحریر" کے معنی ہیں "آزاد کرانا" (to liberate) ہمارے ہاں حُر اور حُریت کے الفاظ مستعمل ہیں۔ "حر" آزاد کو کہا جاتا ہے اور "حریت" آزادی کو۔ "تحریر" باب تفعیل سے مصدر ہے۔ اگرچہ میں نے ان حضرات سے کہا ہے کہ ایک دینی تحریک کے حوالے سے آپ نے یہ کوئی مناسب نام نہیں رکھا ہے، لیکن بہرحال ناموں کا معاملہ اتنا اہم نہیں ہوتا، نام تو علامتی ہوتے ہیں۔ اور ان کی طرف سے تو یہ بات نہیں آئی، لیکن اب میرے اپنے ذہن میں اس نام کا جو سبب آیا ہے وہ میں ابھی بیان کرتا ہوں۔

اس جماعت کی تاسیس ۱۹۵۳ء میں یروشلم میں ہوئی۔ اس کے بانی علامہ تقی الدین نبہانی رحمتہ اللہ علیہ تھے جن کا کافی عرصہ ہوا انتقال ہو چکا ہے۔ ان کا پورا سوانحی خاکہ مجھے کوشش کے باوجود ابھی تک نہیں مل سکا۔ یہ فلسطینی مسلمان تھے اور "الاخوان المسلمون" سے تعلق رکھتے تھے۔ البتہ یہ معاملہ اس اعتبار سے اختلافی ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ "الاخوان المسلمون" میں باضابطہ طور پر شامل تھے اور حسن البناء شہیدؒ کے ساتھیوں میں سے تھے جبکہ "حزب التحریر" کے لوگ کہتے ہیں کہ الاخوان میں شامل نہیں تھے، البتہ ان کے ساتھ ان کے مراسم تھے۔ بہرحال یہ ان کے قریبی حلقوں میں سے

تھے اور میں سمجھتا ہوں کہ حزب التحریر میں الاخوان کا ایک فکری اور تحریکی تسلسل برقرار ہے۔ علامہ تقی الدین نبہانیؒ اردن میں آباد ہوئے تھے، لیکن جب انہیں وہاں سے نکال دیا گیا تو عراق اور شرقِ اردن کے درمیان "No man's land" پر خیمہ لگا کر مقیم رہے اور وہاں بیٹھ کر تحریر کا کام کرتے رہے۔ یوں سمجھئے کہ آیت اللہ خمینی سے ان کا معاملہ اس اعتبار سے مختلف ہے کہ خمینی صاحب کا فکر تو کیسٹ کے ذریعے سے ایران میں پہنچا جبکہ وہ عراق میں تھے اور اس کے بعد فرانس چلے گئے تھے۔ لیکن علامہ نبہانیؒ نے اپنی کتابوں اور دوسری تحریروں کے ذریعے سے اپنے فکر کو نمایاں کیا۔ اور یروشلم میں وہیں "No man's land" ہی میں ۱۹۵۳ء ان کا انتقال ہوا۔

اردن اور شام میں کئی مرتبہ ان کے ہم خیال لوگوں نے "کو" (coup) کے ذریعے انتقالِ اقتدار کی کوشش کی۔ یہ چیز ان کے طریقہ کار میں باضابطہ طور پر شامل ہے اپنے طریقہ کار کو یہ "تثقیف" کا نام دیتے ہیں کہ پہلے اپنے فکر کو لوگوں کے ذہنوں میں اتارا جائے جس سے لوگوں میں اسلامی کلچر اجاگر ہو اور ان کی سوچ اس کے مطابق ہو جائے، پھر اس کے بعد اس تحریک کو منظرعام پر لانا، اور پھر "طلبِ نصرت" یعنی جو بھی طاقت اور حیثیت والے لوگ ہیں ان سے مدد حاصل کرنا تاکہ انقلاب برپا کیا جائے۔ عرب ممالک میں چونکہ اکثر و بیشتر فوجی حکومتیں اور ملٹری ڈکٹیٹرز ہیں لہٰذا بار بار اس نوعیت کی کوشش ہوئی ہے کہ کچھ فوجی آفیسرز جو اپنے ہم خیال ہو گئے ان کے ذریعے سے حکومت کا تختہ الٹ کر وہاں اسلامی حکومت قائم کرنے کی کوشش کریں۔ لیکن اس میں انہیں مسلسل ناکامی ہوئی ہے۔ چنانچہ اب صورت حال یہ ہے کہ ان کا کہنا ہے کہ عالمِ عرب میں ہماری تنظیم اور تحریک موجود تو ہے لیکن زیر زمین (Under ground) ہے۔ اس وقت ان کے امیر یا قائد ابوالقدیر زلوم ہیں جن کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہیں۔ ان کے کہنے کے مطابق وہ کسی عرب ملک میں زیر زمین کہیں چھپے ہوئے ہیں اور وہیں سے اس تحریک کی راہنمائی فرما رہے ہیں۔ البتہ جب عرب ممالک کے یہ مسلمان نوجوان امریکہ، انگلستان اور دیگر یورپی ممالک میں تارکینِ وطن کی حیثیت سے گئے تو وہاں پر چونکہ حقوق حاصل ہیں لہٰذا انہیں وہاں کام کرنے کا موقع ملا۔ طالب علموں کی حیثیت سے یہ وہاں یونیورسٹیوں کے

اندر کام کر سکتے تھے، جیسے ہمارے یہاں سے جماعت اسلامی سے منسلک لوگ، یا عرب ممالک سے اخوان سے منسلک لوگ باہر گئے اور انہوں نے وہاں جا کر کام کیا۔ وہاں چونکہ ہر طرح کے سیاسی حقوق حاصل ہیں لہٰذا آپ اپنی بات کہہ سکتے ہیں، تنظیم بنا سکتے ہیں۔ پھر بہت سے لوگوں نے وہاں کی شہریت اختیار کر لی، نیشنیلٹی لے لی تو اس کے بعد انہیں وہاں خوب کام کرنے کا موقع ملا۔ لیکن یورپ کے مختلف شہروں یا امریکہ میں کسی جگہ بھی وہ صورت ہرگز پیدا نہیں ہو پائی ہے جو برطانیہ میں ہے، جسے "Lily in bloom" سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یعنی اگر آپ نے "حزب التحریر" کا پوری طرح کھلا ہوا پھول دیکھنا ہو تو وہ صرف انگلستان میں ہے۔ اس کے کوئی خاص اسباب ہوں گے۔ ان میں سے بعض چیزیں تو میرے سامنے ہیں، لیکن بعض کے بارے میں، میں ابھی مزید غور و فکر کروں گا کہ کیا خاص بات ہے کہ وہاں اس قدر تیزی کے ساتھ یہ بات بڑھی اور پھیلی ہے۔

اب میں چاہتا ہوں کہ آپ یہ سمجھ لیں کہ اصل میں حزب التحریر کی نوعیت کیا ہے؟ یہ ایک نیا phenomenon ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا، میں تو پہلے ہی سے ان سے متاثر تھا، لیکن اب جو میں ان کے نوجوانوں کا جوش و خروش اور ان کا جذبۂ عمل دیکھ کر آیا ہوں اس سے میں مزید متاثر ہوا ہوں، اگرچہ ان کے طریقہ کار اور بعض دوسری آراء سے متعلق مجھے اختلاف ہے، جو اپنی جگہ پر ہے۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ دنیا میں صد فی صد اتفاق تو بہت آسان کام نہیں ہوتا اور خاص طور پر ہمارے اور ان کے حالات کا فرق بھی پیش نظر رہنا چاہئے۔ ہمارے اپنے ملکی حالات کا معاملہ، یہاں کا تاریخی پس منظر، برِ عظیم پاک و ہند کا خصوصی پس منظر، علمی پس منظر، یہاں کے علماء دین اور ان کے اثرات اور پھر یہاں اٹھنے والی تحریک پاکستان اور اس کا صغریٰ کبریٰ، یہ سب کچھ ان کے حالات سے مختلف ہے۔ پھر یہاں بہرحال ہمیں جمہوری حقوق حاصل ہیں، ہم تنقید کر سکتے ہیں، جماعت بنا سکتے ہیں، اجتماعات کر سکتے ہیں، جب تک کہ ہم کوئی تخریبی کارروائی نہ کریں، توڑ پھوڑ نہ کریں۔ ہمیں یہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر طرح کے حقوق حاصل ہیں، جب کہ عالمِ عرب کا معاملہ بڑا مختلف ہے۔ خاص طور پر اس اعتبار سے کہ وہاں پر کہیں بھی کوئی حقوق حاصل ہی نہیں ہیں۔ سعودی عرب میں آپ کوئی اجتماع نہیں کر سکتے، کہیں اپنا اظہارِ خیال نہیں کر سکتے،

کوئی جماعت نہیں بنا سکتے۔ چنانچہ آپ کو یاد ہو گا کہ ۱۹۷۹ء میں وہاں پر جو کچھ ہوا تھا وہ ایک ہنگامہ' فساد اور ایک "explosion" تھا' جبکہ کچھ لوگوں نے حرم پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس لئے کہ جہاں اختلافِ رائے اور اظہارِ رائے کے چینل نہیں ہوں گے وہاں کبھی تو کوئی آتش فشاں پھٹے گا۔ تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حالات کی وجہ سے بھی یقیناً سوچ میں اور طریقہ کار میں فرق پڑتا ہے۔

احیائی عمل — کچھ اصولی مباحث

"حزب التحریر" کی اصل نوعیت میں ذرا تجزیہ کر کے آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ لیکن آگے بڑھنے سے قبل میں چاہتا ہوں کہ امتِ مسلمہ کی تاریخ کے حوالے سے احیائی عمل کے بارے میں کچھ اصولی باتیں آپ کے گوش گزار کروں تاکہ ہم موجودہ احیائی تحریکوں اور خصوصاً حزب التحریر کا ایک وسیع تناظر میں جائزہ لے سکیں۔

امتِ مسلمہ کے عروج و زوال کے دو ادوار

جو حضرات بھی مجھ سے اور میری سوچ سے واقف ہیں' اور جنہوں نے میری تحریریں پڑھی ہیں وہ جانتے ہیں کہ میں تجزیہ کر کے یہ بتا چکا ہوں کہ امتِ مسلمہ کے دو عروج اور دو زوال کے دور آ چکے ہیں۔ پہلا عروج عربوں کی زیر قیادت ہوا' پھر زوال آیا تو پہلے صلیبیوں کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانا پڑی اور پھر تاتاریوں کے ہاتھوں بڑی زبردست پٹائی ہوئی۔ دوسرا عروج ترکوں کی زیر قیادت آیا۔ ترکانِ صفوی' ترکانِ تیموری' ترکانِ سلجوقی اور ترکانِ عثمانی کی حکومتیں قائم ہوئیں اور خلافت عظیم سلطنتِ عثمانیہ میں منتقل ہو گئی۔ پھر دوسرا زوال یورپی استبداد اور نو آبادیاتی استعمار کے ہاتھوں آیا۔ ہمارا یہ دوسرا زوال اس صدی کے آغاز میں پہلی جنگ عظیم کے بعد انتہائی پستی کو پہنچا جب عظیم سلطنت عثمانیہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گئی اور اس میں سے ایک چھوٹا سا ملک ترکی باقی رہ گیا۔ تمام عالم عرب اس طرح منقسم ہوا کہ یہ ملک برطانیہ کے پاس رہے گا اور یہ فرانس کے پاس۔ وَقِس علٰی ذٰلک۔ غرضیکہ دنیا نے وہ نقشہ پوری طرح دیکھ لیا جس کی پیشینگوئی

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں فرمائی تھی کہ :

"یوشک الامم ان تَداعٰی علیکم کما تداعَی الاکَلۃُ الٰی قصعَتھا' فقال قائلٌ : مِن قلۃٍ نحن یومئذٍ؟ قال : بل انتم یومئذ کثیر' ولٰکنکم غثاءٌ کغثاءِ السیل' ولینزعن اللہ من صدور عدوکم المھابۃَ منکم' ولیقذفن فی قلوبکم الوھنَ۔ قیل : وما الوھنُ یارسول اللہ؟ قال : حبُّ الدنیا وکراھیۃ المَوتِ" (رواہ ابوداود' عن ثوبان ﷺ)

(ترجمہ) "قریب ہے کہ اقوامِ عالم ایک دوسرے کو تم پر ٹوٹ پڑنے کی دعوت دیں گی جیسا کہ کھانا کھانے والے ایک دوسرے کو اپنے دسترخوان کی طرف بلاتے ہیں"۔ اس پر کسی نے کہا : "کیا اس روز ہم تعداد میں کم ہوں گے؟" آپ ﷺ نے فرمایا : "تعداد میں تو اس روز تم بہت زیادہ ہوگے' لیکن تمہاری حیثیت جھاگ سے زیادہ نہ ہوگی' جیسا کہ سیلاب کا جھاگ ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال باہر کرے گا اور خود تمہارے دلوں میں وہن (کی بیماری) ڈال دے گا"۔ پوچھا گیا : "اے اللہ کے رسول (ﷺ) وہن کیا چیز ہے؟" آپؐ نے فرمایا : "دنیا کی محبت اور موت سے نفرت!"

یعنی دنیا کی محبت اور موت سے گریز' یہ دو چیزیں جب مسلمان میں آجائیں گی تو وہ پوری دنیا کی قوموں کے لئے لقمۂ تر بن جائے گا۔

اس صدی کے آغاز میں عالمِ اسلام کا نقشہ یہی تھا جو اس حدیث میں بیان ہوا۔ اور اسی کی ایک علامت یہ ہے کہ ۱۹۲۴ء میں خلافت کا وہ ادارہ بھی ختم ہوگیا جس کی حیثیت اگرچہ محض علامتی تھی لیکن بہرحال وہ عالم اسلام کی وحدت کا ایک نشان تھا۔ حالانکہ اس کا کوئی عمل دخل نہیں تھا' اثر و رسوخ نہیں تھا۔ خلافت عثمانیہ اصلاً تو ایک مملکت تھی اور خلیفہ کی حیثیت اپنے مقبوضہ علاقوں کے لئے بادشاہ یا سلطان کی تھی' لیکن پھر بھی یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ "خلافت" پوری دنیا کے مسلمانوں کے لئے وحدت کا ایک نشان ہے۔ ۱۹۲۴ء میں یہ علامتی نشان بھی ختم ہوگیا۔ تو یوں سمجھئے کہ اس صدی کے ربعِ اول کے خاتمے تک ہمارا یہ دوسرا زوال اپنی منطقی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ حدیث نبویؐ کے الفاظ میں امتِ مسلمہ کی پستی کا جو

نقشہ کھینچا گیا ہے اس کی ترجمانی اپنے اردو کے اشعار میں مولانا حالیؒ نے اس طرح کی ہے۔

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

یعنی ہمارا دریا تو اترتا ہی جا رہا ہے اور اس کے اندر چڑھاؤ کی کوئی صورت باقی ہی نہیں رہی۔ تو یہ کیفیت درحقیقت اُس وقت عالم اسلام کی تھی۔

احیائی عمل کے دو اہم گوشے

اس کے بعد سے ہمارے ہاں ایک احیائی عمل شروع ہوا ہے۔ اس احیائی عمل کے ضمن میں چار اصطلاحات اچھی طرح سمجھ لیجئے، کیونکہ اصطلاحات کے حوالے سے باتوں کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے، جیسے کہ سورۃ البقرہ کے چوتھے رکوع کے شروع میں آیا ہے: "عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ کُلَّهَا" کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو تمام نام سکھا دیئے۔ اصل میں ہر شے کے لئے کوئی عنوان ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر فن کی بھی بنیادی اصطلاحات ہوتی ہیں، جو اگر سمجھ میں آجائیں تو وہ فن آپ کی گرفت میں آجائے گا۔ تو میں چاہتا ہوں کہ یہ چار اصطلاحات آپ پہچان لیں۔ ایک تو یہ کہ اس احیائی عمل کے دو اہم گوشے کیا ہیں؟ ایک ہے "قومی اور سیاسی گوشہ" اور دوسرا ہے "اسلامی احیائی گوشہ"۔ مسلمان بہرحال ایک قوم ہیں۔ خواہ بھلے ہیں، برے ہیں، اچھے ہیں، بے عمل ہیں، باعمل ہیں، متقی ہیں، فاسق ہیں، فاجر ہیں، زانی ہیں، شرابی ہیں، چاہے شراب کے ٹھیکیدار ہیں، چکلے چلاتے ہیں، لیکن مسلمان تو ہیں۔ تو مسلمان قوم کی بہبود و بھلائی اور اس کے حقوق کی اپنی جگہ اہمیت ہے۔ اب ہندوؤں سے ہمیں اندیشہ تھا کہ وہ مسلم قوم کو دبا دیں گے، اس کا معاشی استحصال کریں گے، اس کے تہذیب و کلچر، اس کے تشخص اور اس کی زبان کو ختم کر دیں گے۔ چنانچہ اس خوف کے زیر اثر تحریک پاکستان شروع ہوئی اور پاکستان بنوایا گیا۔ یا اسی طریقے سے فلسطینی

مسلمانوں کا معاملہ ہے' جنہیں ان کے وطن سے نکال دیا گیا ہے اور وہ اپنے گھروں سے بے گھر کر دیئے گئے ہیں۔ تو ایک ہے قومی اور سیاسی سطح پر مسلمانوں کے حقوق اور ان کی بہبود و بھلائی کے لئے کوئی کام کرنا---- اور ایک ہے اسلام کے لئے اور اسلام کے احیاء کے لئے کوئی کام کرنا۔ یہ دو چیزیں علیحدہ ہیں۔ اگرچہ یہ باہم جڑ بھی جاتی ہیں اور علامہ اقبال کے ہاں یہ جامعیت نظر آتی ہے کہ انہوں نے ان دونوں کو عجیب انداز میں رکھا ہے۔ ایک طرف وہ کہتے ہیں۔

نشۂ مے کو تعلق نہیں پیمانے سے
تو نہ مٹ جائے گا ایران کے مٹ جانے سے!

یعنی جس طرح پیمانے کی کوئی حیثیت نہیں ہے' اصل شے تو شراب ہے جو اس کے اندر ہے' اسی طرح مسلمان کی حیثیت تو محض پیمانے کی ہے' اس کے اندر جو شراب ہے وہ اسلام ہے' لہٰذا اصل اہمیت اسلام کی ہے' اس شراب کی ہے جو اس پیمانے کے اندر ہے' پیمانہ کی اپنی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ لیکن دوسری طرف وہ کہتے ہیں۔

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے!
کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے' جام رہے؟

اب یہاں دوسری بات کہی ہے کہ مسلمان کی حیثیت ساقی کی ہے جو اسلام کے جام کو گردش میں لاتا ہے۔ اگر ساقی اس جام کو گردش میں نہیں لائے گا تو اسلام کو دوسروں تک کون پہنچائے گا؟ تو اگرچہ علامہ اقبال نے ان دونوں چیزوں کو جمع بھی کیا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ مسلمانوں کی فلاح و بہبود' ان کے حقوق اور ان کی آزادی کے لئے محنت اور جد و جہد کے تقاضے کچھ اور ہوں گے۔ اس کے لئے تو یہ پیش نظر ہونا چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ مسلمان جمع ہو جائیں۔ وہاں آپ یہ تحقیق نہ کیجئے کہ اس کا عقیدہ کیا ہے اور اس کے نظریات کیا ہیں' اس کا عمل کیا ہے اور اس کا کردار کیا ہے۔ بس مسلمان جمع ہوں' جمع ہوں گے تو طاقت بنے گی' طاقت ہو گی تو آپ دشمنوں سے اپنے حقوق حاصل کر سکیں گے۔ لیکن اس کے برعکس اگر اسلام کے لئے کام کرنا ہے تو پہلے یہ دیکھنا ہو گا کہ آپ نے خود اسلام پر عمل کیا یا نہیں کیا؟ اگر اپنی ذات میں اسلام نہیں ہے' خود اپنے گھر

میں اسلام نہیں ہے تو آپ اسلام کہاں قائم کرنے چلے؟ تو ان دو اصطلاحات کو ذہن میں رکھئے کہ قومی اور سیاسی کام علیحدہ ہے اور احیائی اور اسلامی کام علیحدہ ہے۔ ان دونوں کی نوعیت جدا ہے۔

"دو اسلام" اور ان کا فرق

دوسرے یہ کہ اسلام بھی ہمارے ہاں دو ہیں' اور یہ اصل میں اہم تر مسئلہ ہے جو تھوڑا سا باریک بھی ہے۔ ایک ہمارا "روایتی مذہبی اسلام" ہے اور ایک ہمارا "دینی انقلابی اسلام" ہے۔ ان دونوں کا فرق بھی سمجھ لیجئے۔ روایتی مذہبی اسلام کیا ہے؟ ارکان اسلام یعنی نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ کی پابندی اور ظاہری وضع قطع اور روزمرہ کے معمولات میں اتباعِ سنت کی کوشش۔ یہ ہمارا مذہب کا تصور ہے جو زیادہ تر انفرادی زندگی سے متعلق ہے۔ اور ہمارے ہاں کا علماء' مدارس اور مساجد کا سارا نظام اسی روایتی مذہبی تصور سے متعلق ہے ---- اس کے علاوہ اسلام کا ایک انقلابی (Radical) تصور ہے۔ یعنی اسلام مذہب نہیں دین ہے' یہ اپنا غلبہ اور اپنی حکومت چاہتا ہے' پورا نظامِ زندگی اپنے مطابق ڈھالنا چاہتا ہے۔ یہ ایک بالکل دوسری بات ہے۔ ان دونوں تصورات میں ایک دوسرے سے بڑا فرق ہے۔ کچھ عرصہ قبل میں نے اس ضمن میں کچھ مضامین لکھے تھے جو "نوائے وقت" میں چھپے تھے اور اب وہ "اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل" کے عنوان سے کتابی صورت میں شائع ہو گئے ہیں' ان میں میں نے واضح کیا ہے کہ اسلام کا اصل انقلابی فکر کیا تھا۔ اسلام تو دین تھا' مذہب تھا ہی نہیں' یہ مذہب تو ہم نے اسے بنا دیا۔ لفظ "مذہب" تو پورے قرآن میں کہیں آیا ہے نہ پورے ذخیرۂ حدیث میں۔ کمال تو یہ ہے کہ ہماری بنیادی اصطلاحات جو ہماری زبانوں پر چڑھی ہوئی ہیں وہ ہیں جن کا قرآن اور سنت سے کوئی تعلق نہیں' جیسے لفظ "عقیدہ" قرآن میں ہے نہ حدیث میں۔ اور لفظ "تصوف" کا تو پتہ ہی نہیں چلتا کہ آیا کہاں سے ہے' یہ "مجہول النسب" ہے' اس کا مادہ ہی معلوم نہیں کہ یہ "صوف" سے بنا ہے' "صفا" سے بنا ہے یا "Theosophy" سے بنا لیا گیا ہے۔ اب اس کا قرآن اور سنت سے کیا تعلق ہوتا' جبکہ اس کی عربی اصل بھی واضح نہیں ہے کہ اس

کی اصل جڑ بنیاد کیا ہے۔ لیکن ہمارے ہاں زیادہ تر گفتگو انہی اصطلاحات کے حوالے سے ہوتی ہے۔

بہرحال یہ سمجھ لیجئے کہ اسلام کا جو تصور بطور دین ہے وہ ایک مکمل نظام زندگی کا ہے اور مکمل نظام زندگی تو وہی ہوتا ہے جو نافذ ہو۔ اگر نافذ نہیں ہے تو وہ نظام کہاں ہے' وہ تو محض ایک نظریہ ہے۔ ایک "مذہب" تو کسی نظام کے تابع ہو کر رہ سکتا ہے لیکن ایک "دین" کسی دوسرے دین کے تابع نہیں ہو سکتا۔ دین تو ایک ہی ہو گا اور وہی غالب ہو گا' اور جو غالب ہو گا وہی دین ہو گا' جو مغلوب ہو گا وہ مذہب ہو جائے گا۔ ہمارے ہاں اصل میں خلافتِ راشدہ کے بعد جو انحطاط شروع ہوا تو اس کے نتیجے میں سیاست اور مذہب علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔ مذہبی قیادت علماء' فقہاء' مفسرین اور صوفیاء کے نام ہو گئی جبکہ سیاسی قیادت' سلاطین' حکمران' بادشاہ اور امراء کا حصہ قرار پائی۔ اس طرح یہ "Dichotomy" پیدا ہوئی جس کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا ہے۔

ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی
ہوس کی امیری' ہوس کی وزیری

اس دوئی کے نتیجے میں مذہب سکڑتا چلا گیا کہ حکومت حکومت والے جانیں اور مذہب والے مذہب کی قیادت و سیادت پر قانع ہو کر بیٹھ گئے۔ اور صورتحال یہ ہو کر رہ گئی جس کی مثال میں نے بارہا دی ہے کہ اسی صدی میں انگریز کے دورِ غلامی میں ایک بہت بڑی دینی شخصیت نے یہ بات کہی کہ "ہمیں کوئی کام ایسا نہیں کرنا چاہئے جس سے ہمارے حکمرانوں کو تشویش ہو' اس لئے کہ انہوں نے ہمیں مذہبی آزادی دے رکھی ہے"۔ اس پر پھبتی چست کی تھی علامہ اقبال نے جو صد فی صد درست تھی کہ۔

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

یعنی نماز روزے کی یہ آزادی کیا اسلام کی آزادی ہے؟ تو یہ ہے اصل میں فرق دین اور مذہب میں۔

ہمارا روایتی مذہبی تصور سارے کا سارا عبادات اور وضع قطع تک محدود ہے۔ اس

میں "اتباعِ سنت" کے جذبے کا مظاہرہ تو یہاں تک کیا جاتا ہے کہ چونکہ حضورؐ پاجامہ نہیں پہنتے تھے بلکہ تہبند باندھتے تھے' لہٰذا تہبند باندھنے کا اہتمام کیا جائے اور حضورؐ کے اتباع میں سر پر پگڑی باندھی جائے جس کا رنگ بھی اقرب اِلی السُّنۃ ہو' لیکن اس طرف سے آنکھیں بند کرلی جائیں کہ اِس وقت غلبہ کس نظام کا ہے! آنحضور ﷺ کا لایا ہوا دین غالب ہے یا مغلوب!! یہ عجیب طرفہ تماشا ہے کہ اللہ کا دین پاؤں تلے مسلا جارہا ہے' اللہ کی حدود کی دھجیاں بکھیری جارہی ہیں اور ایک شخص اپنے اسی مزعومہ تقویٰ اور اتباعِ سنت کے نشے میں سرشار ہے کہ ہم نے تو نہ معلوم کتنی اونچی منزلیں طے کرلی ہیں۔ اسی تصور کو سینے سے لگائے ہوئے وہ مرشد بھی بن گئے ہیں اور لوگوں کا تزکیہ بھی فرمارہے ہیں۔ یہ اسی روایتی مذہبی تصور کا شاخسانہ ہے کہ کوئی صاحب انگریز کی عدالت میں بیٹھ کر غیراللہ کے قانون کے تحت فیصلے کررہے ہیں اور وہ کوئی بہت بڑے مربی بھی ہیں' مزکی بھی ہیں' کسی شیخ کے خلیفہ بھی ہیں' جبکہ قرآن کہتا ہے : "وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ" یعنی "جو اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں۔" یہ باتیں میں اس لئے سخت الفاظ میں کہہ رہا ہوں کہ میں جو اصطلاحی فرق آپ کے سامنے لانا چاہتا ہوں اسے آپ اچھی طرح سمجھ لیں۔

میں نے عرض کیا ہے کہ ایک روایتی (Traditional) اسلام ہے جس کا تصور مذہب کا ہے اور ایک انقلابی (Radical) اسلام ہے جس کا تصور دین کا ہے کہ اسلام دین ہے اور دین غلبہ چاہتا ہے۔ دین تو وہی ہے جو قائم ہے' باقی جو مغلوب ہے وہ دین نہیں مذہب ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت امریکہ کے اندر "دینِ جمہور" قائم ہے' یعنی حاکمیت جمہور کی ہے۔ یہ سیکولر نظام ہے۔ اس دین جمہور کے تحت وہاں مسلمان بھی رہ سکتا ہے' اسے مسجد بنانے کی آزادی ہے کہ ٹھاٹھ کی بنائے اور چاہے اس پر کروڑوں ڈالر لگا لے۔ ہندو وہاں جائے تو مندر بنالے۔ وہاں پر سِکھ گئے تو انہوں نے گوردوارے بنالئے۔ سب کو اجازت ہے کہ وہاں مذہب کی حیثیت سے اپنی اپنی جگہ پر رہیں' لیکن اس ملک کے نظام کے بارے میں انہیں کوئی بات کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ تو یہ ہے سیکولرزم کا نظام جس کی طرف اب ہم بھی بڑی تیزی سے جارہے ہیں' کیونکہ "بریک" کھل چکے ہیں۔ دو

سال پہلے میں نے کہا تھا کہ اس ملک اندر جو مذہبی جماعتیں یہ سمجھتی ہیں کہ اگرچہ ہم یہاں اسلام نہیں لاسکے لیکن ہم نے سیکولرزم کو بھی تو قدم نہیں جمانے دیئے' یہ ان کی خام خیال ہے اور ان کی غلط حکمتِ عملی کے باعث وہ مرحلہ آگیا ہے کہ اب وہ بریک کھل گئے ہیں اور یہ ملک بڑی تیزی کے ساتھ سیکولرزم کی طرف جارہا ہے۔

بہرحال اس وقت میں چار اصطلاحات کے حوالے سے اپنی بات سمجھانا چاہ رہا ہوں :

۱۔ قومی اور سیاسی عمل : یہ کسی اور شے کا نام ہے۔

۲۔ احیائی اسلامی عمل : اس کے تقاضے کچھ اور ہیں۔ ۳۔ روایتی مذہبی اسلام : اس کے تقاضے اور ترجیحات کچھ اور ہیں' اور

۴۔ Radical اور Revolutionary (انقلابی) اسلام' جس کی بنیاد دین کے تصور پر ہے' یہ اور ہے۔

برِعظیم پاک وہند میں اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل

اب اس پس منظر کو یوں سمجھئے کہ برعظیم پاک و ہند میں علامہ اقبال اس اعتبار سے نہایت جامع شخصیت تھے کہ ایک طرف تو انہوں نے قومی اور احیائی دونوں میدانوں میں کام کیا۔ قومی اور سیاسی میدان میں وہ مسلم لیگ کے ساتھ رہے' وہ مصورِ پاکستان ہیں' لیکن اس کے ساتھ ساتھ فکری میدان میں انہوں نے اسلام کے انقلابی تصور کو واضح کیا۔ میری بڑی خواہش ہے کہ میری کتاب "برعظیم پاک و ہند میں اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل" کا مطالعہ آپ سب حضرات ضرور کریں۔ برعظیم پاک و ہند میں اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید علامہ اقبال مرحوم نے کی ہے اور پھر مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا مودودی نے اس کی تعمیل کی کوشش کی ہے۔ اس کا تاریخی پس منظر اور صغریٰ کبریٰ ہر شخص کے سامنے ہونا چاہئے۔ اس احیائی فکر کے دینے والے علامہ اقبال ہیں۔ اپنی شاعری کو انہوں نے اس کا ایک ذریعہ بنایا ہے۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری

یہ کوئی گل و بلبل کی شاعری تو نہیں ہے' یہ ہجر و وصال کی باتیں تو نہیں ہیں۔ یہ تو ایک پیغام ہے' دین کے فکر کی تجدید ہے۔ چنانچہ میرے نزدیک علامہ اقبال فکر اسلامی کے مجدد ہیں۔

علامہ اقبال نے اسلام کے ایک وحدت اور ایک نظام زندگی ہونے کے تصور کو واضح کیا۔ پھر عملی شکل میں اس کی تعمیل کی پہلی کوشش مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے کی۔ علامہ اقبال میدان کے آدمی نہیں تھے بلکہ مفکر تھے۔ انہوں نے مسلم لوگ میں کام کیا مگر صفِ اول میں نہیں' بلکہ ایک صوبے کی سطح پر کچھ کام کیا۔ اللہ تعالیٰ نے جس کو جو صلاحیت دی ہے وہ اسی کے مطابق کام کرتا ہے۔ تو فکر کی تجدید میں میرے نزدیک وہ سب سے اونچی شخصیت ہیں۔ اس فکر کی تعمیل میں مولانا ابوالکلام آزاد نے ۱۹۱۳ء میں بیعت کی بنیاد پر "حزب اللہ" قائم کی' لیکن روایتی علماء کی مخالفت سے گھبرا کر میدان چھوڑ کر کانگریس میں جا کر بیٹھ گئے۔ لہٰذا مجھے دلچسپی ان کے صرف ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۰ء تک کے آٹھ سال سے ہے' جو ان کا "الہلال" اور "البلاغ" کا دور ہے اور جب انہوں نے بیعت کی بنیاد پر "حزب اللہ" قائم کی تھی۔ میرے نزدیک وہ پہلی کوشش تھی جو ناکام ہو گئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کا کام اذان کے درجے میں تھا' انہوں نے کوئی غلغلہ تو بلند کیا تھا۔

اس کے بعد مولانا مودودی یہی انقلابی (Radical) اسلامی تصور لے کر میدان میں آئے۔ یہی وجہ ہے کہ قومی سیاسی تحریک سے ان کا راستہ علیحدہ ہو گیا۔ آجکل پھر ہمارے ہاں اخبارات میں یہ بحث چل نکلی ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ پاکستان بنانے میں ان کا سب سے بڑا حصہ ہے اور کوئی کہتا ہے کہ نہیں' وہ پاکستان کے دشمن تھے۔ اصل میں دونوں باتوں میں کچھ حقیقت موجود ہے۔ وہ پاکستان کے مخالف تھے' اور انہوں نے مسلم لیگ اور قائداعظم پر شدید تنقیدیں کیں' اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن مسلم قومیت کے نظریئے کو جو تقویت انہوں نے دی تھی وہ انہی کا کام تھا۔ علامہ اقبال کے بعد مولانا مودودی کا قلم ہی ہے جس نے مسلم قومیت کو فروغ دیا' ورنہ مولانا مدنی" اور مولانا ابوالکلام آزاد جیسی شخصیتوں کے اثر کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلمانوں میں کوئی دوسرا صاحب قلم موجود نہیں تھا۔ اس دور میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی متحدہ قومیت کا جو نظریہ پیش کیا جا رہا تھا اس کے خلاف جس کے قلم نے سب سے زیادہ جہاد کیا اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ مولانا مودودی تھے۔ علامہ

اقبال کا پیغام ان کی شاعری کے ذریعے سے عام ہوا اور انہوں نے مسلمانوں کو ایک جذبہ دیا، لیکن مولانا مودودی نے "مسئلہ قومیت" پر جو کتاب لکھی ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ اس ضمن میں ان کی کتابیں "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" حصہ اول اور دوم بہت اہم کتابیں ہیں۔ اس کے بعد جب انہوں نے اپنا راستہ علیحدہ کر لیا کہ "ہم اسلام کا کام کرنا چاہتے ہیں، مسلمانوں والا کام نہیں" تو پھر وہ تحریک پاکستان کے بھی مخالف تھے اور پاکستان کے بھی۔ اسے تسلیم کرنا چاہئے۔ یہ حقائق ہیں جن کو کون چھپا سکتا ہے؟ میری کتاب "تحریک جماعت اسلامی، ایک تحقیقی مطالعہ" دیکھ لیجئے، اس میں آپ کو سارے اقتباسات مل جائیں گے۔

بہرحال اس وقت میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ علامہ اقبال نے "Radical" اسلام کا جو فکر دیا اس کی تعمیل کی پہلی عملی کوشش مولانا ابوالکلام آزاد نے کی، جو بہت جلد مایوس ہو گئے۔ اس کے بعد دوسری کوشش مولانا مودودی نے کی لیکن پاکستان بننے کے بعد وہ بھی یہاں کی انتخابی سیاست کی گرداب میں گھر گئے اور ان کی تحریک بھی دلدل کے اندر پھنس کر رہ گئی۔

برعظیم پاک و ہند میں ہمارے روایتی مذہبی اسلام نے بھی ایک حرکت کی شکل اختیار کی، اور وہ تبلیغی جماعت ہے۔ میں بارہا عرض کر چکا ہوں کہ عجیب بات ہے کہ یہ ساری تحریکیں برعظیم پاک و ہند ہی سے ابھر رہی ہیں۔ تبلیغی جماعت کی حرکت اب پوری دنیا میں دیکھی جا سکتی ہے۔ میں نے آپ کو بتایا کہ برطانیہ میں اسی اسی ہزار مسلمانوں کا اجتماع تبلیغی جماعت کے تحت ہو جاتا ہے، یہ کوئی معمولی بات ہے؟ پاکستان اور ہندوستان میں ہونے والے اجتماعات میں تو لاکھوں کی تعداد ہوتی ہے۔ بھوپال میں تبلیغی جماعت کا ایک اجتماع ہوا تھا جس کے بارے میں بی بی سی نے خبر دی تھی کہ پچیس لاکھ آدمی جمع تھے، اگرچہ پھر تبلیغی جماعت کے ذمہ دار لوگوں نے اس کی تردید کی اور بتایا کہ حاضری پچیس لاکھ نہیں، دس لاکھ تھی۔ اسی طرح بنگلہ دیش میں ٹونگی کے مقام پر جو تبلیغی اجتماع ہوتا ہے اس میں پندرہ بیس لاکھ سے کم آدمی نہیں ہوتے۔ یہاں رائے ونڈ کے سالانہ اجتماع میں آٹھ دس لاکھ سے کم حاضری نہیں ہوتی۔ اور اس ساری حرکت کا آغاز دہلی میں بنگلے کی ایک چھوٹی سی مسجد سے

ہوا تھا۔

بہرحال اس احیائی عمل میں برعظیم پاک و ہند کا ایک خاص مقام ہے۔ بدقسمتی سے عالمِ عرب اس سے سرے سے ناواقف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں جن تحریکوں کے ذریعے سے یہاں کی تحریکوں کا تعارف ہوا ہے انہوں نے یہ پورا پس منظر سامنے رکھا ہی نہیں، بلکہ اس فکر کو ایسے بیان کیا گیا جیسے یہ بات آسمان سے براہ راست انہی پر نازل ہوئی ہے۔ ہر کام کے پیچھے اس کا کوئی پس منظر ہوتا ہے۔ اس کا اعتراف کیا جانا چاہئے کہ ابوالکلام بھی کبھی اس میدان کے اندر رہوتے تھے۔ ٹھیک ہے ایک وقت میں وہ یہ راستہ چھوڑ کر چلے گئے۔ علامہ اقبال کا جو مقام ہے اس کو تسلیم کیا جانا چاہئے۔ اس سے پیچھے جایئے تو شہیدین کی تحریک اور شاہ ولی اللہ دہلوی کا نام آتا ہے۔ بدقسمتی سے ہماری موجودہ تحریکوں نے اس پس منظر کو نظر انداز کر دیا ہے۔ مثلاً جماعت اسلامی کے حلقے کے ذریعے سے مولانا مودودی کا تعارف تو ہوا ہے، لیکن اس انداز سے کہ شاید اس برعظیم پاک و ہند میں کوئی اور ہے ہی نہیں یا اس سے قبل کوئی اور تھا ہی نہیں اور یہ کام یہاں شروع ہوا ہے تو گویا ایک شخص ہی سے ہوا ہے۔ یہ چیز بحیثیتِ مجموعی دین کے مقصد کے اعتبار سے نقصان دہ ہے۔ اور اس طرح عالم عرب کے سامنے برعظیم پاک و ہند کی اہمیت سرے سے آئی ہی نہیں۔ بہرحال اس کے مقابلے میں مصر میں ریڈیکل اسلام "الاخوان المسلمون" کے ذریعے سے سامنے آیا۔

انقلابی تحریکوں کے بارے میں ایک قانونِ فطرت

اب یہ بات سمجھئے کہ انقلابی تحریکوں (RadicalMovements) کے بارے میں یہ قانون فطرت ہے کہ وہ تیس چالیس سال کے اندر اندر کامیاب ہو جائیں تو ہو جائیں، ورنہ ان پر بڑھاپا طاری ہو جاتا ہے، ان کا وہ جوش و خروش، جذبۂ قربانی اور جوش عمل سرد پڑ جاتا ہے اور وہ مفاہمت اور مصالحت کا راستہ اختیار کر لیتی ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان کے اندر جو "انقلابیت کا ڈنگ" ہے وہ ٹوٹنا شروع ہو جاتا ہے اور لائحہ عمل یہ طے پاتا ہے کہ اب انتخابی میدان میں چلو، یا کوئی سماجی خدمت کر لو، کہیں کوئی ہسپتال بنا لو، کہیں کوئی مدرسے تعمیر کر لو، کہیں کوئی اپنی خاص مساجد اور اپنے مراکز بنا لو۔ مزید برآں اس کا سب سے برا

نتیجہ فرقہ واریت کی صورت میں نکلتا ہے، کیونکہ وہ تحریک ایک فرقہ بن کر رہ جاتی ہے۔ اس لئے کہ ایک نسل نے تو اس تحریک کی دعوت کو شعوری طور پر قبول کیا تھا۔ اب اگلی نسل کو اس سے یہ تعلق ہوتا ہے کہ چونکہ یہ ہمارے باپ کا مسلک ہے اس لئے ہم نے اختیار کیا ہے، اور تیسری نسل میں آکر وہ بالکل ایک فرقہ بن کر رہ جاتی ہے۔ اور اس کے بعد صرف مخصی عقیدتیں باقی رہ جاتی ہیں، لیکن جوشِ عمل اور جذبۂ قربانی بالکل ختم ہو کر رہ جاتا ہے، اور اپنے آپ کو بدلنے اور اپنی زندگی میں کوئی انقلاب لانے کے لئے آدمی تیار نہیں رہتا۔ یہ اس کا بدترین انجام ہوتا ہے۔ آپ کسی بھی فرقے کی تاریخ اٹھائیں گے تو معلوم ہوگا کہ شروع میں یہ ایک تحریک تھی۔ کوئی بڑے صاحب عزیمت انسان اٹھے اور انہوں نے تصحیح عقائد اور ردِّ بدعات وغیرہ کے ضمن میں اصلاحی کام کا بیڑا اٹھایا۔ لیکن ایک دو نسلوں کے بعد اب محض چند شعائر رہ گئے ہیں جن کے حوالے سے یہ فرقہ پہچانا جاتا ہے۔ "الاخوان المسلمون" اور "جماعت اسلامی" کے ساتھ یہی معاملہ پیش آچکا ہے۔

اس ضمن میں اخوان اور جماعت اسلامی کا ایک فرق نوٹ کر لیجئے۔ اخوان ایک عرب تحریک تھی اور عربوں میں جوش و جذبہ بے پناہ ہوتا ہے، یہ ایک فعال قوم ہے۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ اخوان سے جو لوگ اب زوال کے دور میں علیحدہ ہوئے وہ اکثر و بیشتر دہشت گرد اور تشدد پسند قسم کے گروپ بن گئے۔ مثلاً سب سے پہلے "التکفیر والھجرۃ" بنی، جس نے مصر میں قتل و غارت گری کا معاملہ کیا۔ عمر تلمسانیؒ سے میری ملاقات ۱۹۷۹ء میں قاہرہ میں ہوئی تھی۔ میں نے ان سے پوچھا تھا کہ کیا یہ آپ کے لوگ ہیں؟ تو انہوں نے کہا تھا کہ ہاں، یہ ہمارے لوگ ہیں، لیکن ہم سے علیحدہ ہو گئے ہیں اور اب ہمارے کنٹرول سے باہر ہیں۔ یہی شکل ایک علیحدہ گروپ "تنظیم الجہاد" کی ہے۔ اسی طرح "جماعۃ اسلامیہ" بھی اخوان سے کٹنے والا ایک گروپ ہے۔ تو اخوان پر جب بڑھاپا آیا یعنی بحیثیت مجموعی جب تحریک پر پژمردگی طاری ہوئی تو زیادہ جوشیلے لوگ جو مطمئن نہیں رہے وہ علیحدہ ہو گئے اور انہوں نے اس قسم کے گروپوں کی شکل اختیار کر لی۔ یہی وہ لوگ ہیں جو آج عرب ممالک میں زیادہ "بنیاد پرست" شمار ہو رہے ہیں۔ ورنہ باقی اخوان نے تو الیکشن، سماجی خدمت اور تعلیمی اداروں کے قیام وغیرہ کے وہ سارے راستے اختیار کر لئے ہیں جو میں نے ابھی

گنوائے ہیں اور جو انقلابی تحریکوں کے بڑھاپے کے نتائج ہوتے ہیں۔ جماعت اسلامی میں اِخوان کے مقابلے میں فکر اور ہوش کا غلبہ تھا' مولانا مودودی کے لٹریچر میں دلائل کے حوالے سے بات تھی۔ پھر جماعت کا نظام بھی جو بنا تھا وہ دستوری اور قانونی قسم کا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جماعت سے جو لوگ بددل ہوئے' افسوس کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ انہوں نے علیحدہ ہو کر انفرادی حیثیت میں کوئی کام کیے تو کیے' مثلاً مولانا اصلاحی صاحب نے تفسیر "تدبر قرآن" لکھ دی' ایک حلقہ بنالیا' مولانا علی میاں بہت پہلے علیحدہ ہوئے تھے' انہوں نے بھی اپنی ذاتی حیثیت میں جو بھی خدمت بن آئی سرانجام دی' لیکن یہ لوگ کوئی تحریک یا تنظیم نہیں بنا سکے۔ اس میں واحد استثناء وہاں بھی اور یہاں بھی ایک ایک ہے۔

"تنظیم اسلامی" اور "حزب التحریر" میں مماثلت

میرے نزدیک اخوان سے بددل ہونے والوں میں واحد استثناء کہ جس نے ایک نئے فکر کی بنیاد پر ایک تحریک کا آغاز کیا اور اس ریڈیکل اسلام کو دوبارہ تازہ کیا وہ تقی الدین نبہانی" ہیں جنہوں نے "حزب التحریر" کی بنیاد رکھی۔ یہ لوگ بالکل تشدد پسند نہیں ہیں' نہایت پرامن لوگ ہیں۔ انہوں نے کہیں "کُو" (coup) وغیرہ کی کوئی کوشش کی ہو گی' اس کی تفصیلات سے میں واقف نہیں ہوں۔ اب جو میں نے انہیں دیکھا ہے تو نہایت منظم اور پُرامن لوگ ہیں' violent بالکل نہیں ہیں' دعوتی کام بھی ہے اور جذبہ بھی۔ الغرض اپنی صحیح شکل میں ریڈیکل اسلام مجھے اس "حزب التحریر" میں نظر آیا ہے جو تقی الدین نبہانی صاحب نے شروع کی تھی۔

اِدھر ہندوستان کی تقسیم کے بعد جماعت اسلامی کا بڑا حصہ پاکستان میں آیا ہے۔ اس میں یہ خاکسار واحد مثال ہے جس نے جماعت سے علیحدہ ہونے کے بعد ایک فکر کے ساتھ' ایک نظام اور ایک باقاعدہ نقشہ دے کر "تنظیم اسلامی" کے نام سے کام شروع کیا' یا پھر اس سے پہلے ایک انجمن خدام القرآن قائم کی۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اور "حزب التحریر" کے درمیان بڑی مشابہت ہے اور اس کانفرنس نے اتفاقاً ہمیں جمع کر دیا' حالانکہ اگر ہم کوئی پروگرام بناتے بھی تو شاید کوئی ایسا پروگرام نہ بنا سکتے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں

آیا ہے : "لَوْ تَوَاعَدْتُمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیعَادِ" کہ اگر تم نے پہلے سے کوئی طے شدہ پروگرام بنایا ہوتا تو شاید یہ کچھ آگے پیچھے ہو گیا ہوتا اور پروگرام صحیح فٹ نہ بیٹھتا۔ اس کانفرنس نے ہمیں لاکر ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا ہے۔ اور ہم دونوں کا تعلق انہی تحریکوں کے ساتھ ہے' یعنی جماعت اسلامی اور الاخوان۔ میں بھی جماعت اسلامی سے ہوں اور برملا کہتا ہوں کہ آج بھی جماعت اسلامی کا کام کر رہا ہوں۔ میرا فکر وہی ہے' میرے نزدیک جماعت اسلامی اس فکر سے انحراف کر گئی ہے اور وہ جا کر انتخابی سیاست کی دلدل میں پھنس گئی ہے' جبکہ اس کے اصل فکر کے امین ہم ہیں۔ مولانا مودودی کے نظریات میں سے بعض چیزوں سے اختلاف کس کو نہیں ہو گا۔ مجھے بھی ان کے بعض ذاتی خیالات سے اختلافات تھے۔ مثلاً ان کی کتاب "خلافت و ملوکیت" سے مجھے شدید اختلاف ہے' لیکن وہ تو انہوں نے لکھی بھی بہت بعد میں' جبکہ ہم جماعت سے علیحدہ ہو چکے تھے۔ بہرحال ہمارا اصل اختلاف طریقہ کار سے تھا کہ آپ نے انتخابی سیاست کی وادی میں آکر' پاور پالیٹکس میں الجھ کر اپنی منزل کھوٹی کر لی ہے۔ اس حوالے سے ہمارا اختلاف تھا۔ باقی یہ کہ "ریڈیکل اسلام" کا تصور تو ہمیں وہیں سے ملا ہے۔ اس بارے میں مَیں تفصیل سے لکھ بھی چکا ہوں۔ جب جماعت اسلامی میں یہ تیسرا بحران شروع ہوا تھا اور قاضی حسین احمد صاحب اور جماعت کے کچھ اکابر کے درمیان بیان بازیاں شروع ہوئی تھیں اُس وقت میں نے کچھ مضامین لکھے تھے جنہیں میثاق کے ایک شمارے میں یکجا بھی کر دیا گیا تھا اور اب وہ کتابی شکل میں بھی شائع ہو رہے ہیں' ان میں میں نے بتایا ہے کہ جماعت کے اصل ریڈیکل تصورات کیا تھے' اور پھر رفتہ رفتہ وہ کہاں سے کہاں ہوتی ہوئی اب کہاں تک پہنچ گئی ہے۔ اب نوبت یہاں تک جا پہنچی ہے کہ وہ اپنی تنظیمی بنیاد سے بھی مایوس ہو کر کہیں "پاسبان" کی صورت اختیار کر رہی ہے' کہیں "PIF" کی اور کہیں کسی اور قالب میں ڈھل رہی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اب وہ اعتماد نہیں رہا کہ ہمارا یہ تنظیمی ڈھانچہ ہماری ضروریات کو پورا کر سکتا ہے۔ یہی وہ صورت حال ہے جس کو میں نے "بڑھاپے کے آثار" سے تعبیر کیا ہے' یعنی تیس چالیس سال میں یا تو کوئی ریڈیکل تحریک کامیاب ہو گی' ورنہ اس پر بڑھاپے کے آثار طاری ہو جائیں گے۔ پھر شخصیتیں نام لے کر پوجی جائیں گی اور ان کے حوالے سے دکانیں

چکائی جائیں گی' کیرئر بنائے جائیں گے۔ یہ سب کچھ ہو گا لیکن وہ جو اصل ریڈیکل اور انقلابی تصور ہے وہ گم ہو جائے گا۔ بہرحال تنظیم اسلامی کا جس نوعیت کا تعلق تحریک جماعت اسلامی کے ساتھ ہے میرے نزدیک وہی تعلق "حزب التحریر" کا تحریک "الاخوان المسلمون" کے ساتھ ہے۔ باقی یہ کہ وہ کبھی باضابطہ اخوان کے رکن رہے یا نہیں' اس سے کوئی خاص فرق واقع نہیں ہوتا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں تو باضابطہ جماعت میں رہا ہوں۔ سات برس میں نے اسلامی جمعیت طلبہ کے ساتھ کام کیا ہے اور ڈھائی تین برس جماعت اسلامی کے ساتھ۔ میں تو own کرتا ہوں اپنے اس سارے پس منظر کو اور مجھے اس پر کوئی ندامت نہیں۔ بلکہ میں تو جماعت اسلامی کا اپنے اوپر بڑا احسان سمجھتا ہوں کہ میں نے وہاں مولانا مودودی کی تحریروں سے بھرپور استفادہ کیا ہے' ان سے اخذ کیا ہے۔ اس سلسلے میں مجھ پر بہت بڑا احسان علامہ اقبال کا ہے' پھر مولانا مودودی کا اور پھر مولانا اصلاحی کا ہے۔ جہاں تک اختلاف کی بات ہے تو وہ مجھے علامہ اقبال کے بعض نظریات سے بھی ہے' مولانا مودودی کے بعض اقدامات سے بھی ہے اور مولانا اصلاحی صاحب سے بھی ہے۔ خاص طور پر رجم کے معاملے میں اصلاحی صاحب سے مجھے شدید اختلاف ہے۔ یہ اختلاف اپنی جگہ پر ہے' لیکن بہرحال میں ان سب کا ممنون احسان ہوں' مجھے ان سے بہت کچھ حاصل ہوا ہے۔ اور پھر سب سے بڑا احسان جو مجھ پر ہے وہ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا ہے۔ ان کے ترجمہ و تفسیر کو میں نے "العروۃ الوثقیٰ" قرار دیا ہے جس کے حوالے سے میں اسلاف کے ساتھ جڑا ہوا ہوں۔

اور میں یہ عجیب بات نوٹ کر رہا تھا کہ حزب التحریر کی تاسیس ۱۹۵۳ء میں ہوئی ہے اور جماعت اسلامی کی تحریک سے میری بددلی کا آغاز بھی ۱۹۵۳ء میں ہوا' اگرچہ میری علیحدگی ۵۷ء میں ہوئی۔ ۱۹۵۳ء کی ختم نبوت کی تحریک میں مولانا مودودی نے جو طرز عمل اختیار کیا تھا سب سے پہلے اس کے بارے میں مجھے اشتباہ پیدا ہوا کہ اصولی اعتبار سے یہ طریق کار صحیح نہیں۔ یہ چیزیں میں "تحریک جماعت اسلامی' ایک تحقیقی مطالعہ" میں لکھ چکا ہوں۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ کسی تحریک کے ساتھ گہری وابستگی ہو تو کسی ایک خاص مسئلے کی بنیاد پر تو اس سے علیحدگی نہیں ہوا کرتی۔ لیکن رفتہ رفتہ بات سمجھ میں آگئی کہ اصل میں یہ

سب شاخسانے اسی بات کے ہیں کہ پاکستان میں آنے کے بعد انتخابی میدان میں اترنے کے نتیجے میں جماعت اسلامی ایک اصولی اسلامی انقلابی جماعت کے بجائے، یعنی ریڈیکل اسلام کے راستے کو چھوڑ کر، ایک اسلام پسند قومی سیاسی جماعت بن گئی ہے۔ جماعت کی یہ جو قلبِ ماہیت ہوئی ہے اس کو میں نے اُس وقت ۲۴ برس کی عمر میں اپنے اس بیان میں تحریر کر دیا تھا جو میں نے "تحریکِ جماعت اسلامی، ایک تحقیقی مطالعہ" کے عنوان سے جماعت کے رکن کی حیثیت سے لکھا تھا، جو دس برس بعد کتابی شکل میں شائع ہوا۔

"حزب التحریر" کا انقلابی فکر

حزب التحریر کے بارے میں مجھے جو چند آخری باتیں عرض کرنی ہیں وہ یہ ہیں کہ ایک تو ان کا بنیادی فکر ریڈیکل اسلام کا حامل ہے۔ یعنی اِس وقت دنیا میں جو ایک ارب سے زیادہ مسلمان ہیں، قانونی طور پر ہم سب کو مسلمان مانتے ہیں، لیکن دنیا کے تمام اسلامی ممالک میں جو نظام رائج ہے وہ کافرانہ ہے۔ چنانچہ اجتماعی اسلام آج دنیا میں کہیں بھی نہیں ہے۔ نظام ہر جگہ کافرانہ ہے۔ اس لئے کہ جہاں اللہ کی حاکمیت نہیں، انسان کی خلافت نہیں، وہ کافرانہ نظام ہے۔ سیدھی سے بات ہے کہ اگر اللہ کی حاکمیت ہے تو قرآن و سنت کی بالادستی ہوگی، نہیں ہے تو پھر یہ کفر ہے، از روئے قرآنی: "وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ"۔ ہم افراد کو کافر نہیں کہتے، نظام کافر ہے اور جب تک اس نظام کو نہیں بدلا جائے گا ہم اللہ کی نگاہ میں مجرم ہیں۔ اور میں نے اپنی کتاب "سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل" میں یہ لکھا ہے کہ ہم پر سزا کے کوڑے کیوں پڑ رہے ہیں؟ کیوں ہم پر مصائب و آلام آ رہے ہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ کو مسلمانوں کی نسبت کافر زیادہ پسند ہیں؟ کہ ؎

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر!

ایسا کیوں ہے؟ اللہ تو ظالم نہیں، اللہ کو کفر سے محبت نہیں۔ وہ تو فرماتا ہے: "وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ" اور "وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ" پھر ایسا کیوں ہے؟ یہ اس

لئے ہے کہ جب مسلمان امت اسلام کے بجائے کسی اور دین کو اپنالے گی تو وہ اللہ کی نگاہ میں کافر سے بدتر ہے۔ اس لئے کہ کافر کو اسلام پہنچانا اس کے ذمہ تھا۔ کافر تو کھڑا ہو کر یہ کہہ دے گا کہ اے اللہ! یہ تھے تیرے دین کے ٹھیکیدار، یہ تیرے نبیؐ کے عشق کے دعویدار تھے، عید میلاد النبیؐ منایا کرتے تھے بڑے جوش و خروش کے ساتھ، لیکن ان کا کردار یہ تھا کہ انہوں نے ہمیں تیرے نبیؐ سے متنفر کیا۔ ہم ان کا کردار دیکھ کر تیرے نبیؐ سے بدظن ہو گئے، کیونکہ درخت تو اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ تو ہمارا کردار دیکھ کر لوگ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کو کیا پہچانیں گے؟ قرآن کو کیا پہچانیں گے؟ برنارڈ شا نے یہی تو کہا تھا کہ "میں جب قرآن پڑھتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں کہ اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہو سکتی اور جب مسلمانوں کو دیکھتا ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ان سے زیادہ ذلیل قوم کوئی نہیں"۔ یہ ہے ہمارا طرز عمل۔ تو آپ جتنی چاہے تبلیغیں کرتے رہئے، مدرسے کھولتے رہیے اور خدمتِ خلق کے کام کرتے رہئے، اس سے اس وقت تک کچھ نہیں ہو گا جب تک آپ اسلام کا نظام قائم کر کے دنیا کو نہیں دکھا دیتے کہ دیکھو یہ ہے پوری دنیا کے لئے ماڈل! یہ ہے اسلام کا نظام عدل اجتماعی، یہ ہے دین محمد ﷺ، یہ ہے دین اللہ جس کے بارے میں فرمایا گیا: "یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا" آؤ اس کے اندر داخل ہو جاؤ! یہ وہ ریڈیکل فکر ہے جس کی آج دنیا کو ضرورت ہے کہ اسلام دین ہے، مذہب نہیں ہے۔ اور تم نے اس کو مذہب بنا کر رکھ دیا کہ بس نماز روزہ کر لو، چاہے حرام سے کماؤ اور ہر سال جا کر حج اور عمرہ کر آؤ، سب صاف ہو جائے گا۔ جس طرح چاہو اور جو چاہو کمائی کر لو لیکن رمضان کا عمرہ کر آؤ تو گویا کہ بس گنگا نہا آئے یا جمنا نہا آئے، سب کے سب گناہ آپ کے صاف ہو گئے۔ یہ اسلام نہیں ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے صاف فرمادیا تھا کہ حرام کھانے کے بعد مانگی جانے والی دعائیں تمہارے منہ پر دے ماری جاتی ہیں۔ کوئی شخص دور دراز کا سفر طے کر کے مکہ مکرمہ پہنچے اور جبلِ رحمت پر کھڑا ہو کر اونچے اونچے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہا ہو، یارب یارب پکار رہا ہو، لیکن حال یہ ہو کہ "وَمَطْعَمُہٗ حَرَام وَمَلْبَسُہٗ حَرَام وَغُذِیَ بِالْحَرَام" کہ اس کا کھایا ہوا حرام کا ہے، اس کا پہنا ہوا حرام کا ہے اور اس کے جسم نے حرام کی غذا سے پرورش پائی ہے۔ "فَاَنّٰی یُسْتَجَابُ لِذٰلِکَ"

اس کی دعا کیونکر قبول ہو؟ تو چاہے آپ حج پر جاکر دعائیں کریں وہ دعائیں نہیں سنی جائیں گی۔ تیس تیس لاکھ آدمی جاکر دعائیں کرتے ہیں لیکن کیا بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں نہیں سن رہا اور مسلمان قوم کی حالت نہیں بدل رہی؟ ریڈیکل اسلام یہ ہے کہ دین کو مکمل نظام کی حیثیت سے قائم کرو۔ اور دین کا قیام اس کھیل تماشے سے نہیں ہوگا کہ انتخابات کا کھیل کھیل لیا' کبھی کسی کی لاش کو کندھا دے دیا' کبھی کسی کو اٹھا کر اوپر پھینک دیا' کبھی کسی کی ٹانگ گھسیٹ دی' کبھی ایک کی اور کبھی کسی دوسرے کی گود میں جاکر بیٹھ گئے' کبھی آپ کے نزدیک عورت کی سربراہی سے بڑی حرام کوئی شے ہی نہیں اور کبھی معلوم ہوا کہ نہیں' یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں' کیا کریں مجبوری ہے۔ یہ جو دین کا تماشا بنا ہوا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ ہمارے فکر میں کجی آگئی ہے۔

"تَعَاوُن عَلَی البِر" کا عزم

حزب التحریر کے انقلابی فکر کے ساتھ مجھے صد فی صد اتفاق ہے' البتہ اس کے ساتھ ساتھ بعض اہم اختلافات بھی ہیں۔ اور یہ اختلافات بھی میں اس لئے بیان کرنا چاہتا ہوں کہ میری یہ بات ان تک بھی پہنچے۔ البتہ اختلاف کے باوجود ان سے تعاون جاری رہے گا' اِلا یہ کہ ان کی طرف سے میرے مشوروں یا تنقید پر ناراضگی کا اظہار ہو تو بات دوسری ہے۔ میری طرف سے تو ہر ایک کے لئے دعوت ہے' میں تو ہر ایک کی طرف دستِ تعاون بڑھاتا ہوں۔ ایک ہوتا ہے کسی جماعت میں شامل ہونا' اس کے لئے تو اگر اس کے پورے نظام کے ساتھ اور اس کے مقصد اور فکر کے ساتھ کامل ہم آہنگی ہو تو شامل ہونا چاہئے۔ چھوٹے چھوٹے جزوی اختلافات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اگر بنیادی مقاصد' بنیادی طریق کار اور بنیادی نظام سے اتفاق ہے تو اس میں شامل ہو جایئے اور اس کے نظم کو قبول کیجئے۔ اور میرے نزدیک ہر باشعور مسلمان کا کسی ایسی جماعت کے اندر شامل ہونا لازم ہے۔ اس لئے کہ یہ اس کے دین کا تقاضا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "عَلَیکُم بِالجَمَاعَۃِ" کہ تم پر لازم ہے کہ جماعت کی شکل میں رہو۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جو اثر ہے اس پر تو میں حیران ہوں کہ انہوں نے کس قدر جامع بات بیان فرمادی ہے: "لَا

اِسلامَ اِلّا بِالجماعَةِ وَلا جماعَةَ اِلّا بِالامارةِ وَلا امارةَ اِلّا بِالسّماعةِ وَلَا سماعةَ اِلّا بِالطّاعَةِ" یعنی "اسلام نہیں ہے جماعت کے بغیر' جماعت نہیں ہے امارت کے بغیر' امارت نہیں ہے سمع کے بغیر (یعنی اگر امیر کی بات سنتے ہی نہیں تو پھر امارت کا فائدہ کیا ہوا) اور سننے کا کوئی فائدہ نہیں اگر اطاعت نہ ہوئی"۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ فرمان کہ "بَایَعنا رَسولَ اللّٰہ ﷺ عَلَی السَّمعِ وَالطَّاعَةِ فِی العُسرِ وَالیُسرِ وَالمَنشَطِ وَالمَکرَہ...." یعنی "ہم نے بیعت کی تھی رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر کہ ہم سنیں گے اور مانیں گے' تنگی میں بھی اور آسانی میں بھی' خواہ ہمیں اس پر انشراح ہو یا ہمیں اپنی طبیعتوں پر جبر کرنا پڑے...." چنانچہ میرے نزدیک تو یہ بیعت کا نظام ہی جماعت کی بنیاد ہے۔ البتہ اگر آپ جماعت میں شامل نہیں ہیں تو جتنا باہمی تعاون ہو سکے ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "تَعَاوَنُوا عَلَی البِرِّ وَالتَّقوٰی وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَی الاِثمِ وَالعُدوَانِ" کہ "نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ اور سرکشی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو!" اسی تعاونِ باہمی کے لئے میں کئی بار جماعت اسلامی کے اکابر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نعیم صدیقی صاحب کو دعوت دی' اسعد گیلانی مرحوم کو اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے' ان سے عرض کیا کہ قرآن کانفرنس میں تو آ جایئے۔ میں یہاں بریلوی علماء کو بلا رہا ہوں' دیوبندی علماء آ رہے ہیں' اہل حدیث آ رہے ہیں' قرآن تو سب کا ایک ہے۔ لیکن وہ آنے کو تیار نہیں ہوئے' اب بتایئے میں کیا کروں؟ میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ آپ سیاسی پلیٹ فارم پر ولی خان کے ساتھ بیٹھ سکتے ہیں' حالانکہ آپ کے بارے میں اس کی جو رائے ہے وہ آپ کو خوب معلوم ہے تو میرے ساتھ قرآن کانفرنس میں کیوں نہیں بیٹھ سکتے؟ سیاسی گٹھ جوڑ میں تو یہاں تک ہوتا ہے کہ بیگم نسیم ولی خان کو مسجد شہداء کے منبر پر لا کر بٹھا دیا گیا تھا۔ یہ ہوا تھا نظام مصطفیٰ ﷺ کی نام نہاد تحریک میں جو اصل میں "اینٹی بھٹو تحریک" تھی۔ بہرحال میں عرض کر رہا تھا کہ "حزب التحریر" کے ساتھ ہمارا تعاون جاری رہے گا۔ البتہ یہ جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس تمام اتفاق کے باوجود اختلافات کیا ہیں' طریق کار میں میرے اور ان کے درمیان کیا اختلاف ہے اور جن ممالک میں یہ کام کر رہے ہیں وہاں جو ان کا طرز

عمل ہے اس سے مجھے کیا اختلاف ہے، پھر یہ کہ اس کانفرنس کے حوالے سے بعض سوالات جو سامنے آئے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ برطانوی گورنمنٹ نے اس درجے تعاون کس لئے کیا اور عالمی پریس نے اسے بھرپور کوریج کیوں دی اور ایک تیسرا سوال یہ اٹھایا گیا کہ فنڈز کہاں سے آرہے ہیں؟ یہ باتیں کچھ ایسی ہیں کہ ع "مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات!" یہ باتیں ان شاء اللہ تعالیٰ ہی اگلے جمعہ میں عرض کروں گا۔

اَقول قَولی ھٰذا وَاستغفر اللّٰہَ لِی وَلکم وَلِسَائِرِ المُسلمین وَالمُسلِمات ○○

ڈاکٹر اسرار احمد

امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان

کی تازہ ترین تالیف

برعظیم پاک و ہند میں

اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل

اور اس سے انحراف کی راہیں

شائع ہو گئی ہے ——— جس میں

- اسلام کے ابتدائی انقلابی فکر اور اس میں زوال کی تاریخ کے جائزے کے بعد
- علامہ اقبال کے ذریعے اس کی تجدید اور مولانا آزاد اور مولانا مودودی کے ہاتھوں اس کی تعمیل کی ساعی اور ان کے حاصل، اور
- 'اسلام کی نشاۃِ ثانیہ میں ناگزیر تدریج اور اس کے تقاضوں' کے علاوہ
- اس فکر سے انحراف کی بعض صورتوں پر بھی تبصرہ کیا گیا ہے ———!

سفید کاغذ پر ۱۰۴ صفحات مع دیدہ زیب ٹائیٹل کور ——— قیمت فی نسخہ ۳۰/-

نیا عالمی استعمار اور "عالمِ مشرق"

ڈاکٹر اسرار احمد

اکبر الٰہ آبادی کا گہرا فلسفیانہ اور صوفیانہ شعر ہے:۔

"اسی حیرت میں عمریں کٹ گئیں اصحابِ دانش کی
کسے اللہ کہئے' اور کس کو ماسوا کہئے!"

بالکل اسی طرح جب سے معلوم ہوا ہے کہ زمین گول ہے اور یہ "فضا کی رقاصہ" اپنے محور پر مسلسل گردش کر رہی ہے' مشرق اور مغرب کے الفاظ بھی بہت حد تک بے معنیٰ ہو کر رہ گئے ہیں' اس لئے کہ سب جانتے ہیں کہ کم از کم خطِ جدی اور خطِ سرطان کے مابین تو روئے زمین کا ہر نقطہ کسی نہ کسی وقت مشرق بھی ہوتا ہے اور مغرب بھی! اس کے باوجود عرفِ عام کے اعتبار سے مشرق مشرق ہے' اور مغرب مغرب! اور عجیب بات ہے کہ تاریخ انسانی کے دوران اگرچہ جنگجو فاتحین کے سیلاب تو کبھی مشرق سے مغرب کی جانب بھی جاتے رہے (جیسے اٹیلا اور چنگیز خاں) اور کبھی مغرب سے مشرق پر بھی حملہ آور ہوئے (جیسے یونانی اور رومی) لیکن "عالمی استعمار" کے سیلاب کا رخ اب سے چار سو سال قبل بھی مغرب سے مشرق کی جانب ہی تھا اور آج بھی اسی سمت میں ہے۔

اس کے علاوہ ان دونوں استعماری سیلابوں کے مابین ایک دوسری قدرِ مشترک یہ بھی ہے کہ پہلے بھی مغربی استعمار کا سب سے بڑا شکار عالمِ اسلام ہی بنا تھا' مشرقِ اقصیٰ یا مشرقِ بعید اس سے بہت حد تک مامون و مصئون رہے تھے اور آج بھی کم از کم تا حال

اس کا اصل صیدِ زبوں عالمِ اسلام ہی ہے۔ البتہ یہ فرق قابل لحاظ ہے کہ اب سے تین چار سو سال قبل چونکہ ابھی فضائی اور خلائی تسخیر کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا' اور ایشیا اور افریقہ کی جانب بری راستے میں عظیم سلطنتِ عثمانیہ حائل تھی' لہٰذا واحد راستہ بحری تھا جو واسکوڈی گاما نے تلاش کیا تھا۔ بنا بریں مغربی یورپ کے ممالک یعنی برطانیہ' فرانس' سپین' ہالینڈ اور پرتگال سے اٹھنے والے استعماری سیلاب کا اولین حملہ عالمِ اسلام کے میمنہ یا مشرقی بازو یعنی ملایا' جاوا' سماٹرا اور ہندوستان پر ہوا تھا اور عالمِ اسلام کے قلب اور میسرہ یعنی عالمِ عرب کی باری آخر میں آئی تھی' جبکہ "نیو ورلڈ آرڈر" کے حالیہ استعماری سیلاب نے سب سے پہلے عالم اسلام کے اس افضل اور برتر حصے کو اپنے شکنجے میں کس لیا ہے! اور اب' تدریجاً مشرق کی جانب بڑھ رہا ہے۔

چنانچہ اس تلخ حقیقت کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے کہ صرف دو غیر اہم مستثنیات کے سوا پورا عالمِ عرب اس وقت مکاشفاتِ یوحنا میں وارد شدہ تمثیل کے مطابق اس سات سروں اور دس سینگوں والے درندے کے چنگل میں پھنس چکا ہے جس پر ایک بدکار عورت (یہودی ریاست اسرائیل) سوار ہے! چنانچہ وہاں تو اب آئندہ حالات اور واقعات کا دارومدار صرف اس پر ہے کہ آیا فنڈامنٹلسٹ یہودی فوری طور پر غالب آکر مسجدِ اقصیٰ کے انہدام' ہیکلِ سلیمانی کی تعمیرِ نو' اور عظیم تر اسرائیل کے قیام کی جانب راست اقدام کا آغاز کر دیتے ہیں یا ابھی کچھ اور عرصے تک لبرل اور سیکولر مزاج یہودی اپنے اس نقشہ کار اور لائحہ عمل پر کاربند رہ سکتے ہیں کہ سردست عالمِ عرب کا ایک اقتصادی بلاک تشکیل دے کر اس کے معاشی استحصال ہی پر اکتفا کی جائے!

اور اس ضمن میں وہ واحد خارجی رکاوٹ جس کے کسی درجہ میں پیش آنے کا امکان ہو سکتا ہے صرف امریکہ کی رائے عامہ اور اس کے زیر اثر انتظامیہ کی جانب سے ہو سکتی ہے' پورے عالم عرب میں تو صرف ایک ملک عراق تھا جس کے "ایٹمی

دانت" نکلنے کا اندیشہ ہو سکتا تھا تو پہلے تو اس کے صرف ایٹمی پلانٹ ہی کو تباہ کیا گیا تھا' اب خلیج کی جنگ میں تو نہ صرف یہ کہ اسے بالکلیہ تہس نہس کر دیا گیا ہے بلکہ اس کے بعد اس کا اگلا پچھلا سارا کھایا پیا اگلوا لیا گیا ہے! رہے باقی تمام عرب ممالک تو وہ مجسم ے "شہرِ جاناں میں اب باصفا کون ہے! --- دستِ قاتل کے شایاں رہا کون ہے!" کی تصویر بنے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ واقعہ یہ ہے کہ امریکی رائے عامہ کے لئے کسی آئندہ مرحلے پر اگر دشواری پیش آسکتی ہے تو اس مسئلے پر کہ ایک جانب اسرائیل' اور دوسری جانب مصر اور سعودی عرب میں سے کس کو اپنا زیادہ وفادار اور قابل اعتماد اتحادی قرار دیا جائے! اور جیسے کہ اس سے قبل عرض کیا جاچکا ہے' اگر کبھی ایسی صورت پیدا ہوتی نظر آئی اور اندیشہ ہوا کہ امریکہ اسرائیل کے عزائم کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا ہے تو یہودی اس کے اہل ہیں کہ امریکہ کو بھی اسی قسم کے اقتصادی اور مالیاتی بحران سے دوچار کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں جیسا چند سال قبل سوویت یونین کو پیش آیا تھا۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ عالم عرب میں احیاء اسلام کی تحریک یا جذبہ موجود نہیں ہے۔ عرب ممالک کی نوجوان نسل میں بھی یقیناً معتدبہ تعداد میں پرجوش فنڈامنٹلسٹ موجود ہیں لیکن حکومتوں کی سطح پر جن سلاطین و ملوک اور "سول اینڈ ملٹری صدور" کا سکہ رواں ہے ان کے ہاتھوں بعض ممالک جیسے مصر اور الجزائر میں تو اب بھی ان فنڈامنٹلسٹ مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں' یہ بالکل یقینی بات ہے کہ جیسے ہی مسجد اقصیٰ کو کوئی گزند پہنچا اور پورے عالم اسلام میں بالعموم اور عرب ممالک میں بالخصوص احتجاج کی لہر اٹھی ان جوشیلے نوجوانوں کے سینے سب سے پہلے اپنے ہی حکمرانوں کے ہاتھوں چھلنی ہوں گے! جن کی فہرست میں ایک تازہ اضافہ یاسر عرفات کی صورت میں ہو رہا ہے!

عالم عرب کی اس عمومی صورت حال میں استثنائی معاملہ صرف دو ملکوں کا ہے'

یعنی لیبیا اور سوڈان۔ تو ان میں سے لیبیا تو دوسرے متعدد پہلوؤں سے قطع نظر اس اعتبار سے بھی غیر اہم ہے کہ وہاں کوئی قابل لحاظ احیائی یا "بنیاد پرست" تحریک موجود نہیں ہے۔ البتہ سوڈان اس اعتبار سے یقیناً بہت اہمیت کا حامل ہے کہ ع "میں کھٹکتا ہوں دلِ یزداں میں کانٹے کی طرح!" کے مصداق اغیار کی نگاہوں میں ایران کے بعد سوڈان ہی وہ واحد مسلم ملک ہے جہاں کی حکومت "فنڈامنٹلسٹ" ہے، تاہم چونکہ وہاں اسلام کی جانب جو پیشقدمی بھی ہو رہی ہے کسی عوامی انقلاب کی بجائے فوجی "انقلاب" کے ذریعے ہو رہی ہے، لہٰذا عہدِ حاضر کے عمومی معیارات کے مطابق اسے "محکم" یا "مستحکم" نہیں سمجھا جاتا!

عالمِ اسلام کے "قلب" کا واحد غیر عرب ملک ترکی ہے، تو اس کا حال تو لگ بھگ پون صدی قبل ہی سے ؎

"میر کے دین و مذہب کو اب پوچھتے کیا ہو، ان نے تو
قشقہ کھینچا، دیر میں بیٹھا، کب کا ترک اسلام کیا!"

کا مصداق کامل بنا ہوا ہے! اور حکومتی سطح پر اس کی سب سے بڑی خواہش بس یہ ہے کہ کسی طرح اس پر سے "ایشیا" کی تہمت اتر جائے اور وہ یورپی اتحاد میں شامل کر لیا جائے۔ یہ دوسری بات ہے کہ مغرب کا رویہ اقبال کے اس شعر کے مصداق ہے کہ ؎

"میرا یہ حال بوٹ کی ٹو چاٹتا ہوں میں
ان کا یہ حکم دیکھ مرے فرش پر نہ رینگ!"

الغرض "نیو ورلڈ آرڈر" کے اس تازہ عالمی استعمار کے سیلاب کے مقابلے یا مزاحمت کی کوئی حقیقی اور واقعی امید عالم اسلام کے قلب یا مغربی بازو سے نہیں کی جا سکتی، معروضی حقائق کے پیش نظر اس کی کوئی توقع ہو سکتی ہے تو صرف اور صرف دائیں یا مشرقی بازو سے۔ چنانچہ اسی کی خبر جناب صادق و مصدوق ﷺ نے متعدد احادیث میں دی ہے!

عالمِ اسلام کا یہ میمنہ یا مشرقی بازو اب سے ڈھائی سو سال قبل تو ایران، ترکستان اور افغانستان سے شروع ہو کر بر عظیم پاک و ہند سے ہوتا ہوا ملایا، جاوا اور سماٹرا تک مسلسل چلا گیا تھا، لیکن اب درمیان میں بھارت کے حائل ہونے کے باعث دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ یعنی ایک وہ "وسط ایشیائی خطہ" جو ایران، افغانستان اور پاکستان کے علاوہ ان تینوں کے شمال میں واقع ترکستانی ریاستوں پر مشتمل ہونے کی بنا پر ایک متصل، مربوط اور سالڈ بلاک کی صورت میں ہے، اور دوسرا بنگلہ دیش، انڈونیشیا اور ملائشیا پر مشتمل خطہ، جس میں مؤخر الذکر دونوں تو پھر بھی متصل قرار دیئے جا سکتے ہیں، لیکن بنگلہ دیش کی حیثیت ایک جزیرے سے زیادہ نہیں ہے۔ (تاہم یہ نقشہ نامکمل رہے گا اگر ذہن میں یہ حقیقت بھی مستحضر نہ رکھی جائے کہ اگر بھارت کے مسلمانوں کا کہنا درست ہے تو صرف بھارت میں لگ بھگ اتنی ہی تعداد میں مسلمان موجود ہیں جتنے پاکستان، افغانستان اور ایران تینوں میں مجموعی طور پر، اور ادھر چینی ترکستان میں بھی تقریباً اتنے ہی مسلمان آباد ہیں جتنے سوویت یونین کی تحلیل کے بعد آزاد ہونے والی جملہ وسط ایشیائی مسلم ریاستوں میں! گویا اگر اس "وسط ایشیائی مسلم بلاک" میں اسلام کا واقعی اور حقیقی احیاء ہو گیا تو اس کی مشرق اور جنوب مشرق کی جانب "توسیع" کے لئے میدان پہلے سے ہموار ہو گا!)

اب اگر نگاہوں کو اس متصل اور مربوط وسط ایشیائی مسلم بلاک پر مرکوز کر دیا جائے تو ایک عجیب حقیقت جو سامنے آتی ہے یہ ہے کہ اس کا "قلب" وہ علاقہ ہے جسے دورِ نبوی ﷺ میں "خراسان" کہا جاتا تھا۔ یعنی پورا افغانستان، اور اس سے متصل کچھ مزید علاقے جو فی الوقت پاکستان، ترکستان اور ایران میں شامل ہیں۔ اور ترمذی شریف میں جو روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے اس کے الفاظ مبارکہ یہ ہیں کہ:

یَخرج مِن خُراسان رأیاتُ سُود فلا یردّھا شیءٌ حتّٰی

تُنصَبَ بِایلیَاء (رواہ الترمذی)

"خراسان کے علاقے سے سیاہ علم برآمد ہوں گے جنہیں کوئی طاقت واپس نہ پھیر سکے گی، یہاں تک کہ وہ ایلیا (یروشلم) میں نصب ہو جائیں گے!"

ان میں سے جہاں تک افغانستان کی موجودہ صورت حال کا تعلق ہے، وہ نہ صرف یہ کہ "قابلِ رشک" نہیں ہے، بلکہ باقاعدہ موجبِ حزن و ملال ہے۔ اور یہ اس لئے کہ وہاں اس مسلّمہ اسلامی اصول کی پابندی نہیں کی گئی تھی کہ اجتماعی جدوجہد کے لئے ایک امیر یا قائد کے ساتھ "شریعت کے دائرے کے اندر اندر حکم سننے اور اطاعت کرنے" کا عہد استوار کیا جائے۔ تاہم چونکہ وہاں نہ صرف لاکھوں افغانوں بلکہ دوسرے ممالک سے آنے والے بے شمار مجاہدوں نے بھی نہایت خلوص و اخلاص کے ساتھ اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا ہے، لہٰذا، ان شاء اللہ العزیز، جلد ہی خونِ شہید اس رنگ لائے گا، اور افغانوں کو ان کی کوتاہیوں کی جو سزا مل رہی ہے اس کا سلسلہ ختم ہو کر ایک حقیقی اسلامی ریاست کے وجود میں آنے کی صورت پیدا ہو جائے گی۔ اور اس طرح علامہ اقبال کے اس شعر کے مصداق اگرچہ عثمانی ترک تو نہ بن سکے، لیکن ان شاء اللہ افغانی مسلمان ضرور بن جائیں گے، کہ ۔

اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا!

اور "عالمِ مشرق کا جنیوا" ہونے کی حیثیت اگر تہران کو حاصل نہ ہو سکی تو کابل کو ضرور حاصل ہو جائے گی۔

اسی طرح روس کے چنگل سے آزاد ہونے والے وسط ایشیائی مسلمان ممالک بھی تاحال ع "آنکہ می بینم بہ بیداریست یا رب، یا بہ خواب؟" کی سی حیرانی کا شکار ہیں۔ اس لئے کہ گزشتہ پون صدی کے دوران ان کی جو ذہنی و نفسیاتی قلبِ ماہیت ہو گئی تھی اس کے باعث ان کی اکثریت تو ابھی ۔

"اس نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا
کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے!"

کی تصویر بنی ہوئی ہے، جس کا نمایاں ترین مظہر یہ ہے کہ ان میں سے بہت سے تو سوویت یونین سے علیحدہ ہونے پر بھی آمادہ نہیں تھے۔ لہٰذا انہیں ابھی "خدا شناسی" تو کجا "خود شناسی" کے لئے بھی خاصا وقت درکار ہوگا۔ تاہم بالآخر یہ ممالک بھی، جو اپنے جغرافیائی محلِ وقوع کے اعتبار سے پاکستان، افغانستان اور ایران کے سر پر بندھی ہوئی بہت بڑی پگڑی سے مشابہ ہیں، ع "معمارِ حرم! باز بہ تعمیرِ حرم خیز!" کے لئے کمرِ ہمت کس لیں گے!

گویا فی الوقت نئے عالمی استعمار، اور اس کے پردے میں یہودیوں کی عالمی بالادستی کے سیلاب کے رخ کو موڑنے کے لئے اصل کردار ادا کرنے کی ذمہ داری کا بوجھ پاکستان اور ایران کے کاندھوں پر ہے۔ اور اگر ان دونوں کے مابین اس معاملے میں کوئی مفاہمت اور اشتراکِ عمل وجود میں آجائے تو ان شاء اللہ بہت جلد افغانستان اور ترکستانی ریاستیں بھی اس "جہادِ مزاحمت" میں شریک ہو جائیں گی۔ رہا ان دونوں کا معاملہ تو ان میں سے ایرانی تو ہم پاکستانی مسلمانوں سے ایک قدم اس اعتبار سے آگے ہیں کہ انہوں نے سیکولر بادشاہت کا تختہ الٹ کر اپنے مخصوص اعتقادی اور فقہی تصورات کے مطابق مذہبی حکومت قائم کرلی ہے۔ اور پاکستان ایران سے اس اعتبار سے آگے ہے کہ اس نے پورے عالمِ اسلام میں ایٹمی صلاحیت کے حامل ہونے والے واحد ملک ہونے کا امتیازی مقام حاصل کرلیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اِس وقت یہی دونوں ملک نیو ورلڈ آرڈر کی "ہٹ لسٹ" میں سرفہرست ہیں! اور اس ضمن میں اگرچہ "فنڈامنٹلسٹ حکومت" ہونے کے اعتبار سے ایران کو اولیت حاصل ہونی چاہئے، لیکن چونکہ ایک تو مادی اعتبار سے ایٹمی صلاحیت زیادہ "قابلِ حذر" ہے اور دوسرے پاکستانی فوج نے اپنی صلاحیت کا لوہا پوری دنیا سے منوایا ہے، لہٰذا اِس وقت زیادہ دباؤ

پاکستان پر ڈالا جا رہا ہے!

بہرحال حالات کی نزاکت کا شدید تقاضا ہے کہ پاکستان اور ایران تاریخ کے بہاؤ اور جغرافیائی محل وقوع گویا زمان و مکان دونوں کے اعتبار سے اپنے مقام اور مرتبے، اور اپنے مطلوبہ کردار اور اس کی اہمیت کو پہچانیں۔ اور یہ یقیناً بہت مبارک بات ہے کہ ایران کے اصحابِ حل و عقد نے وقت کے اس تقاضے کو محسوس کیا ہے اور اس سلسلے میں گفت و شنید کی ابتدا بھی کر دی ہے۔ تاہم اس راہ کی سب سے بڑی خلیج ان دونوں ملکوں کے عوام کے مابین اعتقادی اور فقہی تصوارت کا فرق و تفاوت ہے۔ اور چونکہ پاکستان میں تو تاحال میدانِ سیاست پر سیکولر مزاج لوگوں کا قبضہ ہے، لہٰذا یہ ذمہ داری بھی اصلاً ایرانی زعماء ہی کی ہے کہ وہ اس مشکل کا کوئی ایسا عملی حل تلاش کریں جو پاکستان کے مسلمانوں کی عظیم اکثریت کے لئے قابلِ قبول ہو۔ بدقسمتی سے ماضی میں معاملہ اس کے برعکس یہ رہا کہ ایران کی انقلابی قیادت نے پاکستان کے بعض شیعہ عناصر کی اس کوشش کی حوصلہ افزائی کی کہ وہ ایرانی انقلاب کو "جوں کا توں" پاکستان میں "درآمد" کر لیں۔ جس کے نتیجے میں "وقت کے دریا" میں بہت سی سیاہی گھل گئی۔ بہرحال اب حقائق و واقعات نے بھی سب پر واضح کر دیا ہے کہ "ایں خیال است و محال است و جنوں!" لہٰذا اب اس عظیم تاریخی کردار کے حوالے سے جس کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے اس مشکل کے حل کی جانب سنجیدہ توجہ ناگزیر ہے۔ اور وہ، ظاہر ہے کہ، اس کے سوا اور کوئی نہیں کہ پاکستان کے اہلِ تشیع کھلے دل کے ساتھ وہی قانونی اور دستوری پوزیشن قبول کریں جو ایران میں اہل سنت کو دی گئی ہے! تاکہ عوامی سطح پر مفاہمت پیدا ہو، اور پاکستان میں بھی ایک اسلامی حکومت قائم ہو سکے۔ اس لئے کہ اگر یہ نہیں ہوتا، اور یہاں قانونی اور دستوری سطح پر شیعہ سنی چپقلش باقی رہتی ہے، اور اس کے نتیجے میں پاکستان کی سیاست سیکولر رخ ہی پر چلتی رہتی ہے تو ظاہر ہے کہ مذہبی ایران کی کوئی پیوند کاری سیکولر پاکستان کے ساتھ کیسے ممکن ہو گی؟

اور بات صرف رسمی گفت و شنید سے آگے کیسے بڑھ سکے گی؟

اس سلسلے میں امریکہ کے سابق صدر رچرڈ نکسن کی تازہ تصنیف "SEIZE THE MOMENT" کے عنوان کے حوالے سے عرض ہے کہ ابھی وقت ہے کہ دورِ نبوی ﷺ کے "خراسان" اور اس کے ملحقہ علاقوں کے مسلمان احیاء اسلام اور مزاحمت یہود و نصاریٰ کے لئے متحد ہو جائیں تو چونکہ تاحال مغربی استعمار کے سابقہ سیلاب کی طرح حالیہ سیلاب کی دستبرد سے بھی مشرق اقصیٰ بہت حد تک بچا ہوا ہے اور کم از کم ایک عظیم قوت یعنی عوامی جمہوریہ چین ایسی موجود ہے جس کے ساتھ مفاہمت اور باہمی تعاون کے ذریعے "سول سپریم پاور آن ارتھ" کو بھی گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے لہٰذا پیش نظر مقصد کا حصول آسان ہے۔ ورنہ اگر یہ وقت گزر گیا اور چین امریکہ کی "گاجر اور چھڑی" کی دوہری پالیسی (CARROT AND STICK POLICY) کے سامنے خم کھا گیا تو معاملہ پہلے سے بہت زیادہ مشکل ہو جائے گا۔

اور اگر ایران اور پاکستان دونوں کی مفاہمت چین کے ساتھ ہو جائے تو امید ہے کہ بھارت کی قیادت کو بھی وہ بات جو کسی حد تک تو پہلے ہی سمجھ میں آچکی ہے (اسی لئے اس نے چین کے ساتھ پینگ بڑھائی ہے!) پوری طرح سمجھ میں آجائے گی اور وہ بھی "علاقائی سوچ" کے تحت اور ایک وسطی اور مشرقی ایشیائی اقتصادی بلاک کی تشکیل کی غرض سے کشمیر کے منصفانہ حل کے لئے آمادہ ہو جائے گا۔

تاہم اس کے لئے پاکستان کو اپنی خارجہ پالیسی کے ضمن میں اس انقلابی تبدیلی کے لئے آمادہ ہونا ہو گا کہ ہم امریکہ کے گھڑے کی مچھلی بنے رہنے کی بجائے مشرق کی جانب رخ کریں اور ایک جانب خود پاکستان میں ایک مثالی اسلامی معاشرہ اور ریاست قائم کرنے کے لئے تن من دھن وقف کر دیں اور دوسری جانب اپنی خارجہ پالیسی کا رخ مغرب سے مشرق کی جانب موڑ دیں۔

الھدیٰ قسط : ۹۳

نبی اکرمؐ کی حیاتِ طیبہ میں
قتال فی سبیل اللہ یا سلسلۂ غزوات کا آغاز
اور اس کا ہدفِ آخریں

(۲)

غزوۂ بدر---یوم الفرقان

سورۃ الانفال، جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے، تقریباً پوری کی پوری غزوہ بدر ہی سے متعلق ہے۔ بعض ایسے مسائل جو غزوہ بدر کے بعد اٹھ کھڑے ہوئے، مثلاً مال غنیمت کی تقسیم کا مسئلہ، ان کا حل بھی اس سورہ میں تجویز کیا گیا اور اس غزوے کے دوران جو حالات پیش آئے اور مسلمانوں سے اگر کہیں کسی کوتاہی کا صدور ہوا، ان سب پر اللہ کی طرف سے ایک نہایت جامع تبصرہ اور آئندہ کے لئے اصولی ہدایات بھی اس سورہ مبارکہ میں شامل ہیں۔ گویا پوری سورہ غزوہ بدر کے گرد گھومتی ہے۔ غزوہ بدر کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر کو یوم الفرقان قرار دیا۔ یعنی حق و باطل کے مابین تمیز والا دن۔ اس دن معلوم ہو گیا کہ اللہ کی نصرت و حمایت کس کے ساتھ ہے، ان کفار مکہ کے ساتھ کہ جو ایک ہزار کی تعداد میں ہر طرح کے ہتھیار سجا کر میدان بدر میں آئے تھے یا ان تین سو تیرہ بے سروسامان مسلمانوں کے ساتھ کہ جن کا رسالہ کل دو گھوڑوں پر مشتمل تھا اور جن میں سے سب کے پاس ہتھیار بھی مکمل نہ تھے۔ کسی کے پاس تلوار تھی تو نیزہ نہ تھا اور اگر نیزہ کسی کے پاس تھا تو تلوار نہ تھی اور ایسے بھی تھے جو نیزہ اور تلوار دونوں سے تہی تھے۔ پھر یہ کہ ان بے سروسامان مسلمانوں کی عظیم اکثریت ان انصار

پر مشتمل تھی کہ جن کو قریش جنگجو قوم ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔ ان کے بارے میں قریش مکہ کا یہ خیال تھا کہ یہ کاشتکار لوگ ہیں، لڑنے بھڑنے سے انہیں کیا سروکار! وہ تین سو تیرہ، ایک ہزار کے کیل کانٹے سے لیس ہر طرح سے مسلح لشکر سے ٹکرا گئے اور اسے ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا۔ یوں سمجھئے کہ مکے نے اپنی اصل طاقت کو وہاں اگل دیا تھا، اس کی کل جمعیت میدان بدر میں موجود تھی۔ عتبہ ابن ربیعہ اور ابوجہل جیسے بڑے بڑے سردار کھجور کے کٹے ہوئے تنوں کی مانند میدان بدر میں پڑے تھے۔ وہ دن واقعی یوم الفرقان تھا، اس نے حق و باطل کے مابین تمیز کر دی، دودھ کا دودھ پانی کا پانی جدا کر دیا۔ اس شاندار فتح سے مسلمانوں کا مورال یقیناً بہت بلند ہوا۔ پورے علاقے پر مسلمانوں کا دبدبہ قائم ہو گیا۔ اس طرح ہجرت کے دو ہی سال بعد صورت حال ایک دم اس طرح تبدیل ہو گئی کہ وہ کسمپرسی اور مظلومیت کا دور گویا کہ ختم ہوا اور مسلمانوں کی دھاک پورے علاقے پر بیٹھ گئی۔ صورت حال کی یہ ساری تبدیلی دراصل نتیجہ تھا غزوہ بدر کا جسے اللہ تعالیٰ نے بجا طور پر یوم الفرقان قرار دیا تھا!

بندۂ مومن کی تصویر کے دو رخ

غزوۂ بدر کے جن حالات اور واقعات پر تبصرہ سورۃ الانفال میں آیا ہے ظاہر بات ہے کہ اس مختصر گفتگو میں اس کی اہم باتوں کی طرف بھی اشارہ ممکن نہیں ہے، البتہ سورۃ الانفال کے آغاز و اختتام پر وارد شدہ چند آیات کے حوالے سے بطورِ یاددہانی ایک ایسی حقیقت کی طرف توجہ مناسب رہے گی کہ جو ہمارے اس منتخب نصاب کے لئے گویا کہ عمود اور اس کے مرکزی مضمون کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کے بالکل شروع میں اور پھر اس کے اختتام پر ایسی آیات وارد ہوئی ہیں کہ جنہوں نے سورۃ الحجرات کی آیت ۱۵ کی مانند حقیقی ایمان کی تعریف کو پھر بہت مختصر اور جامع الفاظ میں اپنے اندر سمو لیا ہے اور ایمان کے دونوں اجزاء (یعنی یقینِ قلبی اور جہاد فی سبیل اللہ) کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ الگ الگ نمایاں کیا ہے۔ ایمان حقیقی کے کچھ اثرات تو وہ ہیں جن کا تعلق باطنی کیفیات کے

ساتھ ہوتا ہے۔ اللہ کی یاد اگر دل میں تازہ ہو، اس کی عظمت اور دبدبہ و جلال سے اگر انسان کو کسی قدر آگاہی ہو اور ہر دم یہ احساس اگر اس کے دامن گیر ہو کہ اس کا ہر عمل اللہ کی نگاہ میں ہے تو اس کا طرز عمل ایک خاص سانچے میں ڈھل جاتا ہے، اس کے صبح و شام کے انداز میں ایک خاص تغیر واقع ہوتا ہے جو اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ وہ جھوٹ موٹ کا مدّعیٔ ایمان نہیں ہے بلکہ ایمان اس کے دل میں راسخ ہو چکا ہے۔ اور ایمانِ حقیقی کا دوسرا رکنِ رکین وہ ہے جس کے لئے سورۃ الحجرات میں "جہاد فی سبیل اللہ" کے الفاظ آئے ہیں اور جس کا ذکر اس کے بعد سورۃ الصف میں بھی ہمارے مطالعے میں آچکا ہے۔ سورۃ الانفال میں ایمان کے ان دونوں ارکان کو ایک اچھوتے انداز میں جمع کیا گیا ہے۔ آغاز میں آیات ۲ تا ۴ میں فرمایا:

"اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا، لَھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَمَغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ ۝"

"مومن تو بس وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل لرز اٹھیں اور جب انہیں اس کی آیات پڑھ کر سنائی جائیں تو اس سے ان کے ایمان میں اضافہ ہو جائے اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ وہ لوگ کہ جو نماز کو قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے لگاتے اور کھپاتے رہتے ہیں۔ یہ ہیں وہ لوگ کہ جو حقیقتاً مومن ہیں۔ ان کے لئے ان کے رب کے پاس اعلیٰ درجات اور بخشش اور نہایت اعلیٰ رزق ہے۔"

بندۂ مومن کی زندگی کا ایک رخ، یا یوں کہئے کہ بندۂ مومن کی شخصیت کی تصویر کا ایک پہلو ان تین آیات میں آگیا۔ اسی تصویر کا دوسرا رخ وہ ہے جو سورۃ الانفال کے بالکل آخر میں آیت ۷۴ میں آرہا ہے۔ یہاں ذہن میں رکھئے کہ اس سورۂ مبارکہ کی پہلی آیت کے بعد وہ تین آیات آئی ہیں جن کا مطالعہ ابھی ہم نے کیا، جن میں بندۂ مومن کی تصویر کا ایک

رخ سامنے آتا ہے اور اس سورہ کی آخری آیت سے پہلی (LAST BUT ONE) آیت میں دوسرے پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے جس کا اب ہمیں مطالعہ کرنا ہے۔ فرمایا :

"وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۚ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ○"

"اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور انہوں نے جہاد کیا اللہ کی راہ میں اور وہ لوگ کہ جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی، یہ ہیں وہ لوگ کہ جو حقیقی مومن ہیں۔ ان کے لئے مغفرت بھی ہے اور بہت اعلیٰ رزق بھی۔"

معلوم ہوا کہ بندۂ مومن کی تصویر کے یہ دو رخ ہیں اور ان دونوں کے مجموعے سے ہی بندۂ مومن کی تصویر مکمل ہوتی ہے۔ ہمارے اس منتخب نصاب میں اس سے پہلے سورۂ آل عمران کے آخری رکوع میں اہل ایمان کی زندگی کا ایک نقشہ سامنے لایا گیا تھا اور وہاں ہجرت اور جہاد و قتال فی سبیل اللہ والے پہلو کو اجاگر کیا گیا تھا۔ یہ وہی بات ہے جس کا تذکرہ یہاں سورۃ الانفال کے آخر میں آیا ہے۔ سورۂ آل عمران کی آیت کے الفاظ ذرا ذہن میں تازہ کیجئے :

"فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقَاتَلُوْا وَقُتِلُوْا"

دوسرا نقشہ یا بندۂ مومن کی تصویر کا دوسرا رخ وہ ہے جو اس سے قبل ہمارے زیر مطالعہ آچکا ہے :

"رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ○"

ان دونوں کو جمع کرنے سے بندۂ مومن کی شخصیت کی تصویر مکمل ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں ہم دیکھتے ہیں کہ ؏ "اِک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں" کے مصداق ایک ہی حقیقت کو مختلف اسالیب میں بیان کیا جاتا ہے۔ قرآن حکیم کی مذکورہ بالا آیات اس کی واضح

مثال کا درجہ رکھتی ہیں۔

غزوۂ احد۔ فتح کے بعد وقتی شکست

سورۃ الانفال کی ان ابتدائی اور آخری آیات کے حوالے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس سورۂ مبارکہ کے اول و آخر کے مابین بڑا گہرا معنوی ربط موجود ہے اور اس سے اس جانب بھی رہنمائی ملتی ہے کہ یہ پوری سورۂ مبارکہ بیک وقت ایک مربوط خطبے کی حیثیت سے نازل ہوئی۔ آگے چلئے۔ غزوۂ بدر سے جو صورت حال پیدا ہوئی اس کی طرف اشارہ کیا جاچکا ہے کہ آس پاس کے قبائل پر مسلمانوں کا رعب اور دبدبہ قائم ہوگیا اور مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔ لیکن اگلے ہی سال صورت حال اس کے برعکس ہوگئی۔ اہلِ مکہ نے بدر کی شکست کے بعد مسلمانوں سے انتقام لینے کے لئے اپنی پوری قوتوں کو جمع کیا۔ انتقام لینا عربوں کی گھٹی میں شامل ہے۔ اپنے ستر سربرآوردہ لوگ جن کی لاشوں کو وہ میدان بدر میں چھوڑ آئے تھے' ان کے انتقام کی آگ قریش مکہ کے سینوں میں اندر ہی اندر سلگ رہی تھی۔ پورے اہتمام اور پوری تیاری کے ساتھ اگلے ہی سال ۳ ہجری کے ماہ شوال میں تین ہزار کا لشکر جرار اب براہ راست مدینے پر حملہ آور ہوتا ہے۔ لشکر کی خبر سن کر آنحضور ﷺ مشاورت طلب فرماتے ہیں۔ حضورؐ کا اپنا رجحان یہ تھا کہ مدینہ منورہ کے اندر محصور ہو کر مقابلہ کیا جائے۔ حسن اتفاق کہئے یا سوئے اتفاق کہ یہی رائے منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کی تھی۔ لیکن مسلمانوں میں سے کچھ نوجوان جن کے دل شوقِ شہادت اور جذبۂ جہاد سے معمور تھے' ان کا جوش اور جذبہ اس درجے تھا کہ انہوں نے اس پر زور دیا اور اصرار کیا کہ کھلے میدان میں جاکر جنگ کی جائے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کے اس جذبۂ ایمانی کا لحاظ رکھا اور اپنی رائے پر ان کی رائے کو ترجیح دیتے ہوئے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ صادر فرمادیا۔ دامنِ احد میں مقابلہ ہوا۔ اس موقع پر پہلی مرتبہ نفاق کا عملی ظہور ہوتا ہے۔ اگرچہ غزوۂ بدر کے بیان میں بھی قرآن مجید نشان دہی کرتا ہے کہ اُس وقت بھی ایسے کچھ لوگ موجود تھے جو یہ چاہتے تھے کہ لشکرِ کفار کا مقابلہ کرنے کی بجائے ابوسفیان جس قافلہ کو لے کر شام سے آرہے تھے اس کا تعاقب کیا جائے۔ چنانچہ اس

پر قرآن مجید نے اسی اعتبار سے تنقید بھی کی کہ ان لوگوں کو شاید دنیا زیادہ عزیز تھی، یا پھر اللہ کی راہ میں جان و مال کی قربانی دینا ان کے نزدیک کچھ اتنا زیادہ خوش آئند نہ تھا۔ لیکن یہ ابھی ابتدا تھی اور مرضِ نفاق ابھی پوری طرح ظاہر نہیں ہوا تھا۔ ابھی تک جو معاملہ صرف ضعفِ ایمان کا تھا اگلے سال غزوۂ احد کے موقع پر وہ نفاق ایک ادارے کی حیثیت سے پوری طرح سامنے آتا ہے کہ عین اس وقت جب نبی اکرم ﷺ ایک ہزار کی نفری لے کر مدینہ منورہ سے نکلے اور ابھی میدان جنگ تک نہیں پہنچے کہ عبداللہ ابن ابی ابن سلول اسی بات کو بہانہ بنا کر تین سو اشخاص کو لے کر مدینہ واپس چلا جاتا ہے کہ چونکہ میری رائے پر عمل نہیں ہوا، مدینے کے اندر رہ کر چونکہ مقابلہ نہیں کیا جا رہا لہٰذا ہم ساتھ نہیں دیں گے۔ اور اب دامنِ احد میں محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک ہزار کی نفری میں سے سات سو افراد باقی رہ جاتے ہیں۔ اس جنگ کی تفصیل بیان کرنا یہاں ہمارے پیش نظر نہیں ہے، صرف بعض واقعات اور ان کے نتائج کی جانب مختصر اشارہ مقصود ہے۔ پہلے ہی ہلے میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہو گئی، کفار میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ لیکن پھر نبی اکرم ﷺ کے ایک حکم کی خلاف ورزی جو بعض مسلمانوں سے صادر ہوئی اس کا ایک فوری نتیجہ یہ سامنے آیا کہ فتح عارضی طور پر شکست میں تبدیل ہو گئی۔ ستر صحابہ رضی اللہ عنہم کا شہید ہو جانا کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ ان ستر میں حضرت حمزہ بن عبدالمطلب بھی شامل تھے اور حضرت مصعب بن عمیر بھی، رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ وہ مصعب کہ جن کی دعوت و تبلیغ اور قرآن مجید کی تعلیم و تدریس کے نتیجے میں اہل یثرب کی ایک بڑی تعداد ایمان لے آئی تھی اور مدینہ منورہ کو دارالہجرت بننے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ ستر صحابہؓ نے میدانِ احد میں جام شہادت نوش کیا۔ خود آنحضور ﷺ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے، آپؐ پر کچھ دیر کے لئے غشی طاری ہوئی، یہ بات اڑا دی گئی کہ آنحضور ﷺ شہید ہو چکے ہیں۔ مسلمانوں کی ہمتیں جواب دے گئیں یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی تلوار پھینک دی۔ ان سارے حالات و واقعات کا، ظاہر بات ہے کہ، تفصیلاً بیان یہاں ممکن نہیں ہے۔ قرآن مجید نے غزوۂ احد کے حالات پر بڑا مفصل تبصرہ فرمایا ہے۔ ان میں سے بعض آیات کا مطالعہ ہم

ان شاء اللہ ابھی کریں گے۔ اس جنگ کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ غزوۂ بدر کے بعد قبائل عرب پر مسلمانوں کی جو دھاک بیٹھ گئی تھی وہ جاتی رہی۔ میدانِ بدر میں تین سو تیرہ کو جو فتح مبین حاصل ہوئی تھی اس کا وہ تأثر برقرار نہ رہا۔ اس لئے کہ غزوۂ احد کے بعد صورت یہ سامنے آئی کہ وہاں (بدر میں) ستر اگر کفار کے قتل ہوئے تھے تو یہاں (دامن احد میں) ستر مسلمان شہید ہو گئے۔ اس طرح وہ دبدبہ اور رعب جو مسلمانوں کا قائم ہوا تھا' وہ اب جاتا رہا۔ قریش مکہ آس پاس کے لوگوں کو یہ باور کرانے میں کامیاب رہے کہ یہ فتح و شکست کا معاملہ تو اتفاقی ہوتا ہے۔ کبھی کوئی ایک فریق غالب آجاتا ہے اور کبھی فتح دوسرے کا مقدر بنتی ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ محمد ﷺ واقعتاً اللہ کے رسول ہیں اور ان کو اللہ کی خصوصی تائید حاصل ہے۔ تو غزوۂ احد کے بعد کے ایک دو سال مسلمانوں کے لئے بڑی ہی آزمائش کے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اطراف و جوانب میں سب لوگوں کی ہمتیں بڑھ گئی ہیں۔ چنانچہ اب مسلمانوں پر حملے ہو رہے ہیں' تاخت و تاراج ہو رہا ہے' ان پر چھاپے مارے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں کے لئے یہ وقت بڑی سختی کا تھا۔ اور اس سختی کا نقطۂ عروج ہے غزوۂ احزاب جو غزوۂ احد کے دو سال بعد پیش آیا۔ (جاری ہے...)

امیر تنظیم اسلامی کے مالی و معاشی کو الف پر مشتمل مفصل مضمون

حسابِ کم و بیش

اب کتابچے کی صورت میں دستیاب ہے!

صفحات ۶۴ قیمت اشاعتِ عام -/۶ روپے' اشاعتِ خاص (سفید کاغذ) -/۱۰ روپے

شائع کردہ

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' ۳۶۔ کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور

دیوبندی بریلوی اور اہلحدیث کی طرح کیا آپ سیکولر ہیں یا مسلمان؟

از قلم : مختار حسین فاروقی

آج کے حکمران طبقات اور مغرب زدہ لوگ اسلام کو اس کے اصل مقام سے بہت نیچے گرا کر عیسائیت کے تصور مذہب کی طرح اسے بھی محض خدا اور بندے کا ذاتی اور نجی معاملہ سمجھتے ہیں اور اجتماعی معاملات کو یہ غاصب اور استحصالی سرمایہ دار اور جاگیردار اپنی من مرضی کے مطابق چلانا چاہتے ہیں۔ قرآن مجید ایسے طبقات اور اس سوچ کے حامل افراد کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ایسے افراد جو اپنے ماتحت لوگوں' رعیت یا علاقوں اور ریاستوں میں اپنا یا چند سو منتخب افراد کا (اللہ کی اطاعت سے آزاد ہو کر) بنایا ہوا قانون رائج کرتے ہیں اور اس پر اصرار کرتے ہیں' ظالم و کافر ہی نہیں فرعون اور نمرودوں کی صف میں کھڑے ہیں اور اپنی اطاعت پر مبنی نظام کے نفاذ پر خدائی کے دعویدار ہیں۔ قرآن مجید ایسے خدائی کے دعویداروں کی سرکوبی کا سب سے بڑا علمبردار ہے۔

درحقیقت اسلام زندگی کی طرح ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے اور زندگی کے گوناگوں گوشوں کو ایک ہی اطاعت کے تحت لا کر استحصال کا خاتمہ چاہتا ہے اور اسی کا نام توحید ہے کہ اپنے مطاع کو (انفرادی اور اجتماعی زندگی میں) ایک ہی کر دو۔

آج کا حکمران طبقہ یہ چاہتا ہے کہ ہمارے علماء و صوفیاء اس اسلام کا پرچار کریں جو صرف ذاتی اصلاح' نکاح و طلاق اور غسل کے مسائل تک محدود ہو اور اگر کسی میں مزید ہمت ہو تو ایسے لوگ جولانی طبع کے لئے فروعی اختلافی مسائل میں الجھے رہیں تاکہ عوام بیدار ہو کر اپنے سیاسی آقاؤں' علماء سوء اور دنیا پرست کرپٹ روحانی پیشواؤں سے حساب نہ مانگیں۔ ایسے لادین بالاتر طبقات کی خواہش تو یہ ہے کہ نمازیں کسی طرح پانچ کے بجائے پچاس ہو جائیں تاکہ مذہبی عناصر اور علماء حق کو ان ہی سے فرصت نہ ملے اور وہ خود

عوام کو بیوقوف بناکر لوٹتے رہیں۔ اور افسوسناک بات یہ ہے کہ ہمارے کچھ مذہبی activists اور علماء حق اور مخلص صوفیاء بھی' دین کے محدود مذہبی تصور کے پرچارک بنے ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ وہ زندگی کے اجتماعی گوشوں میں تبدیلی لانے کے بجائے صرف نماز روزہ وغیرہ کی تلقین پر مطمئن ہوئے بیٹھے ہیں اور ان کا یہ عمل شعوری یا غیر شعوری طور پر حکمرانوں ہی کے سیکولر تصور کی تائید کرتا ہے اور اس طرح وہ بالواسطہ طور پر عوام کو دبانے کے عمل میں حکمرانوں کے شریک ہیں۔ نتیجتاً آج ایسے علماء و صوفیاء بھی لوٹوں اور لٹیروں کے خلاف عوامی غیظ و غضب اور تعلیم یافتہ طبقہ کی بیزاری کے جذبات کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔

حالانکہ قرآن و حدیث میں اسلام کو مذہب نہیں "دین" کہا گیا ہے۔ اور اسلام دین تبھی ہے جب انفرادی اور اجتماعی گوشوں (سماجی و معاشرتی' معاشی اور سیاسی میدانوں) میں اس کی بالادستی ہو جو ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری کا مقصد ہے۔

آج جو شخص اسلام کو دین کے طور پر پیش کرتا ہے امریکہ اور یہود اس کو بنیاد پرست (fundamentalist) کہہ کہ بدنام کرتے ہیں' اس لئے کہ دراصل یہی چند سر پھرے لوگ اور قرآن مجید کی یہ تعلیمات جو عدل اجتماعی کی ضامن ہیں' اس یہودی اختراع "نیو ورلڈ آرڈر" کے راستے کا بھاری پتھر ہیں۔

آج ضرورت اس پیغام کو عام کرنے کی ہے آیئے حکمرانوں کے اسلام کے سیکولر تصور کو رد کرکے حقیقی اور اصلی اسلام کے تصور کو سینے سے لگائیں اور اسلام کو بطور دین اپنی زندگی اور پھر ملکی اور عالمی سطح پر نافذ کرنے کی جدوجہد کریں۔ تاکہ ہمارا شمار محمد ﷺ کے مشن کے جان نثاروں میں ہو سکے۔ وما توفیقی الا باللہ

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

سیکولر سیاست دان اور مذہبی سیاسی جماعتوں کے زعماء کی خدمت میں چند گزارشات

از قلم: چوہدری رحمت اللہ بٹر

ہمارے مذہبی علماء جو مختلف مکاتب فکر کی بنیاد پر انتخابی سیاست میں دخل دے رہے ہیں اگر ابھی تک انہوں نے اپنے تعلیمی مدارس میں اس نظام تعلیم کو بھی اختیار نہیں کیا جو واقعی کسی اسلامی ریاست کو اسلامی سیادت و قیادت نصیب کر سکے تو مذہب کی بنیاد پر ان کا سیاست میں حصہ لینا بلاجواز ہے اور اس طرح وہ دین اسلام کو بدنام کرنے کے باعث بن رہے ہیں۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ان میں سے اکثر کا تصور دین صرف عقیدہ، ارکان اسلام اور چند شرعی حدود تک محدود ہے اور وہ اسلام کے نظام عدل اجتماعی سے بے بہرہ ہیں۔ اس لئے وہ کبھی پیپلز پارٹی اور کبھی مسلم لیگ کے ساتھ ملکر سیاست کے میدان کے کھیل کھیل رہے ہیں۔ اگر ان کا دین کا تصور واقعی پورے نظام زندگی کا ہو تو پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ان سیکولر جماعتوں کے اتحادی اور پشت پناہ نہیں۔ ہماری دونوں بڑی سیاسی جماعتوں کے قائدین کا تصور ہمیشہ سے سیکولر ہے اور وہ دین کو بھی محض عقیدہ اور چند عبادات و رسومات تک محدود سمجھتے ہیں اور ملک کو خالص سیکولر بنیاد پر چلانا چاہتے ہیں۔ اسی لئے وہ علماء دین کو انتخابی اور انقلابی ہر نوع کی سیاست سے علیحدگی کا مشورہ دیتے رہتے ہیں۔ اگرچہ یہ بات یقینی ہے کہ اگر اس ملک میں حقیقی اسلام نظام نہ آیا تو یہ بات پاکستان کے خاتمہ کا ذریعہ بن جائے گی کیونکہ یہ ملک پھر اپنا جواز ہی کھو بیٹھے گا۔

کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ یہ مذہبی سیاست دان سوچیں کہ اصل معاملہ یہاں پر اسمبلی کی سیٹوں کے ذریعہ سیاست میں دخل اندازی کا نہیں ہے بلکہ اصل معاملہ نظام اسلامی کے صحیح تصور کو عوام کے سامنے لانے کا ہے اور ضرورت ہے کہ اسلام کے عادلانہ نظام یا دوسرے الفاظ میں نظام خلافت راشدہ کے عدل اجتماعی کے تصور کو ملک میں رائج و قائم کرنے کے لئے وہی راستہ اختیار کریں جو ہمارے لئے واحد اسوۂ حسنہ ہے، جسے اختیار کر کے آنحضور ﷺ نے اس باطل فساد پرست اور سیکولر نظام کو بدلا تھا جو قریش نے

قائم کر رکھا تھا آپ ﷺ کے اختیار کردہ طریقے کو اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کے لئے اسوہ حسنہ قرار دیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ پہلے اجتماعی نظام میں توحید کے عملی تقاضوں کو مانا جائے کہ یہاں کسی کو کسی پر نہ پیدائشی شرف ہے اور نہ کوئی یہاں مالک حقیقی ہے اور حکمران۔ بلکہ اصل حکمرانی صرف اللہ کی ہے اور باقی سب محکوم اور یہ زمین اور اس کے وسائل کسی خاص گروہ یا طبقے کی جاگیر نہیں' ان سب کا مالک حقیقی اللہ ہے اور ان پر تصرف کا حق سب کو یکساں طور پر حاصل ہے اور پھر اس نظریہ توحید کو اسلامی جمہوریہ پاکستان میں غالب کرنے کے لئے ایک لیڈر شپ کے تحت منظم جدوجہد کر کے نظام کو بدلا جائے۔ اب بھی علماء نے یہ راستہ اختیار نہ کیا تو صورت حال مزید بدتر ہو گی اور ون ورلڈ آرڈر کے تحت یہ ملک خالص سیکولر جمہوری ملک ہو گا اور یہاں کے حکمران اس کے "اسلامی" ہونے کا لبادہ جلد اتار پھینکیں گے۔

ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی
ہوس کی امیری ہوس کی وزیری

تنظیم اسلامی پاکستان کے تحت آئندہ مجوزہ پروگرام

○ حلقہ جنوبی پنجاب

☆ علاقائی اجتماع' ۹ تا ۱۱ ستمبر' بمقام ۲۵ آفیسرز کالونی' ملتان

(اس اجتماع میں ۱۰ ستمبر کو توسیعی مشاورت کا اجلاس ہو گا)

☆ مبتدی اور ملتزم تربیت گاہ' ۱۲ تا ۱۵ ستمبر بمقام ۲۵ آفیسرز کالونی' ملتان

○ حلقہ سرحد

☆ علاقائی اجتماع' ۳۰/ ستمبر تا ۲/ اکتوبر' ☆ مبتدی اور ملتزم تربیت گاہ' ۳ تا ۶/ اکتوبر

دیار مغرب میں ۵۸ دن

امیر تنظیم اسلامی کے سفر امریکہ انگلینڈ کی روداد

○

نیو جرسی' امریکہ میں قرآن بہار

مرتب : آصف حمید

۱۸ جون کو امیر تنظیم اسلامی پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق کراچی ایئرپورٹ سے امریکہ کے لئے روانہ ہوئے۔ ناظم اعلیٰ مرکزی انجمن خدام القرآن محترم سراج الحق سید صاحب کے علاوہ شکاگو کی تنظیم سے وابستہ ایک نوجوان تنویر عظمت جنہوں نے حال ہی میں قرآن کالج کے ایک سالہ کورس کی تکمیل کی ہے اور کراچی سے ہمارے ایک محترم رفیق محمود میاں صدیقی صاحب بھی ان کے ہمراہ تھے۔ امیر محترم کے اس دورے کا مقصد انگریزی زبان میں قرآن مجید کے "منتخب نصاب" کا درس دے کر اسے ریکارڈ کروانا تھا جس کا شدید تقاضا امریکہ میں مقیم ہمارے ساتھیوں کی جانب سے بار بار آتا تھا۔ اس لئے کہ اردو زبان میں "الہدیٰ" کے عنوان سے ۴۴ کیسٹوں پر مشتمل منتخب نصاب کے دروس کے sets تو بلا مبالغہ ہزاروں کی تعداد میں پاکستان میں اور اس سے کہیں زیادہ تعداد میں امریکہ' یورپ اور مشرق وسطیٰ میں پھیل چکے ہیں لیکن اس بات کی شدت کے ساتھ ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ امیر محترم اس منتخب نصاب کو انگریزی میں بیان کریں تاکہ نہ صرف انگریزی دان مسلمان طبقہ بلکہ غیر مسلم بھی اس سے استفادہ کر سکیں۔

نیو یارک ایئرپورٹ پر جناب اسرار خان صاحب جو تنظیم اسلامی نیو یارک کے امیر بھی ہیں' استقبال کے لئے پہنچے۔ انہیں پہنچنے میں کچھ تاخیر ہوئی جس کے باعث امیر محترم اور دیگر ساتھیوں کو کچھ دیر انتظار کی زحمت اٹھانا پڑی۔ قیام کا اہتمام جناب اسرار خان صاحب نے اپنے ہی مکان پر کیا تھا۔ ان کا گھر نیو یارک سے متصل نیو جرسی اسٹیٹ کی ایک بستی Teaneck (ٹی نک) میں واقع ہے۔ گھر کے قریب ہی وہ جامع مسجد ہے جہاں درس قرآن کے پروگرام کے ساتھ ساتھ ایک ماہ پر مشتمل تربیتی کیمپ کا پروگرام ہونا طے تھا۔

امیر تنظیم کی نیو جرسی آمد کے اگلے ہی روز درس قرآن کے پروگرام اور تربیت گاہ کے ضمن میں اہم انتظامی امور طے کئے گئے۔ اسی دوران شکاگو سے جناب عطاء الرحمٰن صاحب جو نارتھ امریکہ کی تنظیم اسلامی کے امیر ہیں' تشریف لے آئے تھے۔ تربیت گاہ کے مہمانوں کے قیام وطعام کے انتظامات کو حتمی شکل دی گئی۔ طے یہ پایا کہ درس قرآن اور دیگر تربیتی پروگرام Teaneck کی جامع مسجد میں ہی منعقد ہوں گے جبکہ تربیتی کیمپ میں شریک رفقاء تنظیم کا قیام ایک مقامی یونیورسٹی کے پرسکون ہوسٹل میں ہوگا۔

تربیتی کیمپ کا آغاز تو یکم جولائی سے ہونا تھا لیکن امیر محترم چونکہ ۱۹ جون کو امریکہ پہنچ گئے تھے لہٰذا اس دوران نیویارک اور نیو جرسی میں امیر محترم کے خطاب جمعہ کے علاوہ دروس و خطابات کے متعدد دیگر پروگرام بھی ہوئے جن کے لئے روزانہ تقریباً ۳۰ سے ۴۰ میل تک کی مسافت طے کرنی پڑتی تھی۔ ان پروگراموں میں امیر تنظیم کے خطابات کا عنوان زیادہ تر عظمت قرآن رہا۔ اس حوالے سے اہالیان نیویارک اور نیو جرسی کو قرآن مجید کی جانب متوجہ کرنا۔ انہیں مجوزہ درس قرآن میں شرکت پر آمادہ کرنا مقصود تھا۔ دوسری طرف TWB (تھرڈ ورلڈ براڈ کاسٹنگ) ٹی وی اسٹیشن سے جو کہ ہر weak end کو اردو دان طبقہ کے لئے اپنے پروگرام نشر کرتا ہے' گاہے بگاہے امیر محترم کے منتخب نصاب کے دروس کے مجوزہ پروگرام کا اعلان ہوتا رہا۔ اردو اخبارات میں مسلسل اشتہارات اور خبروں کے ذریعہ بھی اس پروگرام میں شرکت کی دعوت دی جاتی رہی۔ جوں جوں یکم تاریخ نزدیک آرہی تھی' پروگرام کی انکوائری کے لئے موصول ہونے والی ٹیلی فون کالوں کی تعداد میں بھی مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔ اسی دوران TWB نے امیر محترم کے دروس قرآن کے متعدد پروگرام ریکارڈ کر کے نشر کئے۔ رفقاء تنظیم بھی تربیتی کیمپ میں شرکت کے لئے امریکہ کے مختلف شہروں سے آنا شروع ہو گئے۔ Teaneck کی جامع مسجد "دارالاصلاح" میں گہما گہمی روز بروز بڑھنے لگی۔ مقامی تنظیم کے رفقاء نے اپنے اپنے شعبہ جات سنبھال لئے۔ ناظم اجتماع کی ذمہ داری جناب ممنون احمد مرغوب صاحب کے سپرد تھی جبکہ مکتبہ کا چارج عارف ضیاء انصاری صاحب نے سنبھالا اور پبلک ریلیشننگ کی ذمہ داری اظہر جیلانی نے قبول کی۔ یہ تسلیم کیا جانا چاہئے کہ ان حضرات نے اپنی اپنی ڈیوٹی پوری ذمہ داری سے نبھائی۔ اللہ انہیں جزائے خیر سے نوازے۔

بالآخر یکم جولائی کا دن آگیا۔ راقم السطور یکم جولائی کو والدہ محترمہ کے ہمراہ امریکہ پہنچا۔ (ہمیں اصلاً تو امیر محترم کے ساتھ ہی امریکہ کے لئے روانہ ہونا تھا لیکن ویزے کے حصول میں چونکہ تاخیر ہوئی لہٰذا بعد میں یکم جولائی کو نیویارک پہنچے۔ اس سے قبل کی رپورٹ محترم محمود میاں صدیقی صاحب سے حاصل شدہ معلومات پر مبنی ہے)۔ امیر محترم کے منتخب نصاب کے

دروس کی آڈیو/ویڈیو ریکارڈنگ کا کام راقم کے ذمے تھا۔ اس روز جمعہ تھا اور امیر محترم کا خطاب جمعہ Teaneck کی جامع مسجد ہی میں تھا۔ سامعین کی بہت بڑی تعداد جس میں ہندو پاک کے علاوہ عرب اور ایفرو امریکن (سیاہ فام) مسلمان بھی شامل تھے، مسجد میں جمع تھی۔ خطاب انگریزی زبان میں ہوا۔

اسی روز شام کو منتخب نصاب کے سلسلہ وار درس کے پروگرام کا آغاز ہوگیا۔ ابتداء محترم ڈاکٹر صاحب نے "قرآن مجید کا تعارف" کے عنوان سے دو گھنٹے کا لیکچر دیا۔ پھر اگلے روز سے منتخب نصاب کا باقاعدہ درس شروع ہوگیا۔ ٹی نک کی جامع مسجد "دارالاصلاح" ہائی وے کے بالکل قریب واقع ہوئی ہے۔ یہ ایک خوبصورت مسجد ہے جو کہ سرسبز درختوں کے درمیان گھری ہوئی ہے۔ مسجد کے دو طرف کار پارک ہے۔ ایک گنبد اور پچاس فٹ بلند مینار والی یہ مسجد دو منزلہ ہے۔ اوپر والی منزل کو باقاعدہ مسجد کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جبکہ نچلی منزل کو سماجی تقریبات اور کمیونٹی سرگرمیوں کے لئے۔ دروس قرآن مسجد ہی میں ہوئے جبکہ نچلی منزل پر تنظیم کا مکتبہ لگایا گیا۔ ابتداء میں روزانہ دو گھنٹے امیر محترم کے دروس قرآن کے لئے مخصوص تھے۔ ایک گھنٹے کی نشست مغرب سے قبل اور ایک گھنٹہ مغرب کے بعد۔ روزانہ قریباً ایک گھنٹہ سوال جواب کی نشست رہتی۔ ان دروس میں حاضری ہفتے کے عام ایام میں پچاس اور سو کے درمیان اور Week end پر (یعنی بروز ہفتہ و اتوار) دو سو تک رہی۔ آخری دو دنوں میں اس سے بھی متجاوز تھی۔ محترم ڈاکٹر صاحب کی جسمانی صحت اگرچہ خراب رہی، گھٹنے کی تکلیف بہت بڑھ گئی، بلڈ پریشر میں بھی کچھ اضافہ ہوا اور کچھ روز اسہال کی بھی شکایت رہی لیکن آپ کی طبیعت میں انشراح بحمد اللہ برقرار رہا بلکہ اس میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ ہی دن کے بعد وقت کی قلت کا احساس ہونے لگا اور یہ محسوس ہونے لگا کہ یہی رفتار اگر برقرار رہی تو ایک ماہ میں منتخب نصاب کا درس مکمل نہ ہو سکے گا۔ لہٰذا یہ طے کیا گیا کہ درس قرآن کی اب تک ہونے والی روزانہ دو نشستوں کی بجائے آئندہ ایک ایک گھنٹے کی تین نشستیں منعقد کی جائیں، دو نشستیں نماز مغرب سے قبل اور ایک نماز کے بعد۔ چنانچہ امیر محترم باقی ماندہ دنوں میں اسی طور سے درس قرآن مجید دیتے رہے۔ سوائے ۳۰ جولائی کے، کہ اس روز اسہال کی شکایت کے باعث آپ مغرب سے قبل درس نہ دے سکے اور صرف بعد مغرب ہی دو گھنٹے کی نشست ہوئی۔

اتوار ۳۱ جولائی کو ڈاکٹر صاحب نے دن کے وقت مسجد دارالاصلاح ہی میں دو گھنٹے اردو میں خطاب فرمایا۔ سوال و جواب کے لئے اولاً بارہ بجے دن کا وقت مقرر کیا گیا تھا، لیکن یہ وقت چونکہ بالعموم لوگوں کی شدید مصروفیت کا ہوتا ہے اور ہفتہ اور اتوار کے علاوہ اس وقت میں لوگوں کا آنا محال ہوتا ہے لہٰذا اس پروگرام کو ختم کر دیا گیا۔ لیکن پھر ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ڈاکٹر

صاحب نے مزید بوجھ اٹھانے کا فیصلہ کیا اور روزانہ درس کے بعد نصف گھنٹے کی سوال و جواب کی نشست بھی رکھ ڈالی۔ مزید برآں عشاء کی نماز کے بعد سے رات گئے تک ملاقاتوں کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ چنانچہ رات کو آرام کے لئے بہت ہی کم وقت بچتا تھا۔ کچھ ملاقاتی فجر کے بعد بھی آتے۔ تاہم اس کے بعد امیر محترم کو آرام کا کچھ مزید وقت مل جاتا تھا۔ اس کے بعد آپ ناشتہ سے فارغ ہو کر درس کی تیاری کے لئے بیٹھتے اور بھرپور تیاری کرتے اور معمول کے مطابق نوٹس بھی تیار کرتے۔ امیر محترم کا تمام تر قیام، سوائے چند دنوں کے، امیر تنظیم اسلامی نیویارک جناب اسرار خان صاحب کے گھر پر ہی رہا۔ موصوف اور ان کی اہلیہ نے والد محترم (جناب ڈاکٹر صاحب)، والدہ محترمہ اور راقم کی میزبانی کا حق ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر سے نوازے۔ اسرار خان صاحب کے گھر جو کوئی بھی آتا ہے وہ ان کی طرف سے امیر محترم کی کوئی کتاب یا کیسٹ ہدیتاً ضرور لے کر جاتا ہے اور خورد و نوش کی شکل میں خاطر مدارت اس کے علاوہ ہوتی ہے۔

درس قرآن مجید کے اس سلسلے کے ساتھ امریکہ میں مقیم رفقاء تنظیم اسلامی کے لئے دو تربیتی پروگرام بھی ترتیب دیئے گئے۔ پہلا یکم تا دس جولائی اور دوسرا سولہ تا چوبیس جولائی۔ رفقاء کو اپنی سہولت سے ان دونوں میں سے کسی ایک میں شریک ہونے کا پابند کیا گیا تھا۔ البتہ ذمہ دار رفقاء کو (یعنی مقامی امیر، نقباء اور ناظمین کو) پہلے کیمپ میں شرکت کی تاکید کی گئی تھی۔ تنظیمی امور پر گفتگو، مشوروں اور فیصلوں کے لئے اتوار ۲ جولائی کو دن کا وقت مجلس عاملہ کے اجلاس کے لئے مختص کیا گیا۔ اس میں دو ایسے امراء بھی بطور خاص شریک ہوئے جو کسی عذر کے باعث تربیت گاہ میں شریک نہیں ہو سکے تھے اور یہ تھے جناب محمد شفیق صاحب (مانٹریال) اور جناب معین بٹ صاحب (ہوسٹن)۔ مجلس عاملہ کے اجلاس میں ان دونوں حضرات کے علاوہ ناظم اعلیٰ بیرون پاکستان جناب سراج الحق سید صاحب، نائب ناظم اعلیٰ ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب، شمالی امریکہ کے جناب محمد عطاء الرحمٰن صاحب، امیر شکاگو و ناظم بیت المال برائے شمالی امریکہ جناب نصیرالدین محمود صاحب، معتمد جناب امین وارث صاحب، امیر نیویارک جناب اسرار خان صاحب، نقیب اسرہ ویسٹ ٹیکساس جناب سعید اختر اور نمائندہ کیلی فورنیا ڈاکٹر فرخ صاحب۔ ڈیٹرائٹ کی تنظیم کے امیر رفیع اللہ انصاری صاحب اور ناظم بیت المال جناب اعجاز چودھری صاحب، نیویارک کی تنظیم کے معتمد جناب راحیل ملک صاحب اور ناظم بیت المال جناب ابراہیم لونت صاحب اور جناب تنویر عظمت صاحب بھی شریک ہوئے۔

تربیتی پروگراموں کا آغاز روزانہ بعد نماز فجر ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب کے درس حدیث سے ہوتا اور ناشتے اور آرام کے بعد ۸ بجے ڈاکٹر عبدالسمیع ہی تنظیمی امور سے متعلق ہدایات پر مبنی انتخاب از قرآن حکیم کا درس دیتے۔ اس کے بعد سراج الحق سید صاحب

Modern Organization اور Effective Communication and its Management پر لیکچر دیتے۔ پھر ڈاکٹر عبدالسمیع کا "منہج انقلاب نبوی" کے موضوع پر لیکچر ہوا کرتا۔ شام چار تا پانچ بجے مختلف موضوعات پر ایک لیکچر ہوتا۔ اس کے بعد رفقاء کے ساتھ تنظیمی امور اور دن بھر کے لیکچرز پر بھرپور Discussions کا سلسلہ ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہتا۔ نماز عصر کا وقت وہاں ساڑھے چھ بجے شام تھا۔ آڈیو / ویڈیو ریکارڈنگ کے ضمن میں شکایات کا جائزہ لینے کے لئے راقم بھی ان نشستوں میں گاہے بگاہے شرکت کرتا رہا۔

دوسرے تربیتی کورس میں "منہج انقلاب نبوی" پر لیکچرز نوجوان رفیق تنویر عظمت نے دیئے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر ابصار احمد صاحب نے "عصری افکار کے پس منظر میں تنظیم اسلامی" کے موضوع پر دو لیکچر دیئے اور امریکہ کے نظام معیشت پر ایک لیکچر رفیق محترم وجیہ الدین حامد صاحب نے دیا۔

اسی دوران نیو جرسی کے ایک معروف اخبار "The Recorder" میں جو اپنی اشاعت کے اعتبار سے سرفہرست ہے' امیر محترم کا ایک تفصیلی انٹرویو شائع ہوا۔ امیر محترم کے درس کے معاملہ میں Teaneck کی جامع مسجد کی کمیٹی نے حد درجہ تعاون کیا اور ہمیں یہ احساس ہی نہ ہونے دیا کہ ہم یہاں پر مہمان ہیں بلکہ ہر لحہ یہی احساس ہوتا رہا کہ یہ گھر کی سی بات ہے۔ ان کے اس احسان کے ہم حد درجہ ممنون ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو اجر عظیم عطا فرمائے (آمین)۔ مسجد انتظامیہ کی طرف سے ہمیں فون' فیکس اور کمپیوٹر کے استعمال کی سہولت میسر تھی۔

امیر محترم کے دروس ہفتہ تا جمعرات جاری رہتے مگر جمعہ کے دن خطاب جمعہ اور نماز عصر کے بعد عمومی خطاب کا پروگرام نیویارک شہر میں کہیں نہ کہیں ضرور ہوتا رہا۔ اس نوع کے دو پروگرام "Long Island" کی دو مساجد میں ہوئے' جو اپنی نوعیت اور حاضری کے لحاظ سے بہت ہی کامیاب رہے۔ جبکہ ۲۹/ جولائی کا جمعہ اس لحاظ سے مختلف رہا کہ اس روز امیر محترم کو بلند و بالا عمارتوں کے مرکز مین ہٹن (Manhatten) جسکو دنیا کا قلب (Heart of the world) بھی کہا جاتا ہے میں واقع ۹۶ سٹریٹ کی عالیشان مسجد میں خطاب جمعہ کی دعوت دی گئی تھی۔ وہاں امیر تنظیم کے خطاب کا دورانیہ پچاس منٹ تھا۔ یہ مسجد اس لحاظ سے مختلف نوعیت کی ہے کہ جمعہ کے وقت یہاں اکثر مسلمان ممالک کے اعلیٰ سطح کے سرکاری افسر اور عہدیداران نماز جمعہ ادا کرتے ہیں۔ مسجد میں حاضری تقریباً پندرہ سو کے قریب رہی۔ مسجد کے باہر عین سڑک پر مکتبہ بھی لگایا گیا۔

اس پروگرام کے دوران مکتبہ سے متعلق نوجوان رفقاء کا جوش و ولولہ قابل دید تھا' خصوصاً

دو بھائیوں' طارق جاوید اور عبدالخالق' کو دیکھ کر ایمان تازہ ہوا۔ یہ دونوں ٹیکسی چلا کر اللہ کا "فضل" تلاش کرتے ہیں اور باقی ماندہ تقریباً سارا وقت آڈیو اور ویڈیو کیسٹس کی تیاری اور ان کو لوگوں تک پہنچانے پر لگاتے ہیں۔ ان کا اپنا ریکارڈنگ سسٹم ہے۔ یہاں پر ٹورانٹو کے رفیق چوہدری عبدالغفور صاحب کے دو صاحبزادوں کا تذکرہ بھی مناسب ہو گا جنہوں نے ریکارڈنگ کا کام انتھک محنت سے کیا۔ ان تمام رفقاء کی کوششوں سے اس ایک ماہ کے دوران نیویارک' نیوجرسی میں لگ بھگ بارہ ہزار کیسٹ فروخت ہوئے۔

اتوار ۳۱ جولائی کو بعد نماز عصر سوال وجواب کی بھرپور اور آخری نشست "مسجد دارالاصلاح" ہی میں منعقد ہوئی جس کے اختتام پر ۳۰ نئے رفقاء نے بیعت کی۔ ان میں ہندوستانی اور پاکستانی مسلمانوں کے علاوہ دو ایفرو امریکن بھی شامل تھے۔ دو اگست کو امیر محترم نے تمام رفقاء کو مین ہٹن میں واقع تنظیم کے دفتر میں ایک تعارفی نشست کے لئے بلایا۔ تمام رفقاء حاضر تھے۔ امیر محترم نے ان سب سے تعارف حاصل کیا اور انہیں ضروری ہدایات دیں۔ اس ماہ کے دوران امیر محترم کے گھٹنوں کی تکلیف میں کافی اضافہ ہو گیا تھا۔ بعض ڈاکٹروں سے مشورے کے بعد امیر محترم نے آپریشن کرانے کا خیال کیا مگر موصوف کے میڈیکل کالج کے ایک پرانے ساتھی ڈاکٹر رفیق جان کے مشورے پر آپریشن کو ملتوی کر دیا گیا کہ آپریشن کرانے کی صورت میں لندن میں ہونے والی عالمی خلافت کانفرنس میں شرکت مشکوک ہو جاتی کہ جس میں شرکت کا امیر محترم وعدہ کر چکے تھے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا والدہ محترمہ جو کہ تنظیم اسلامی حلقہ خواتین کی ناظمہ بھی ہیں' راقم الحروف کے ہمراہ امریکہ آئی تھیں۔ انہوں نے اس عرصے کے دوران خواتین کے متعدد پروگرام conduct کئے اور بحمد اللہ تقریباً ۴۰ کے قریب خواتین نے تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کی۔ خواتین کی علیحدہ رپورٹ میں محترمہ ناظمہ صاحبہ کے دورے کی تفصیل بیان ہو گی' ان شاء اللہ۔ امریکہ سے لندن کیلئے روانگی ۳/اگست کو عمل میں آئی۔

ضرورت رشتہ

امریکہ میں مقیم ایک پاکستانی خاندان کی دو بیٹیوں' عمر ۲۲ اور ۲۴ سال کے لئے مناسب رشتے درکار ہیں۔ بڑی بیٹی اس سال امریکہ سے ان شاء اللہ بایو ٹیکنالوجی میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کر لیں گی جبکہ چھوٹی بیٹی نے امریکہ سے حال ہی میں ایجوکیشن میں بی۔اے کیا ہے۔ بچیوں کے والدین مستقل طور پر پاکستان منتقل ہو رہے ہیں۔ دینی مزاج کے حامل خاندان رابطہ فرمائیں۔ پنجاب کی جاٹ برادری سے میڈیکل ڈاکٹر کے رشتے کو ترجیح دی جائے گی۔

برائے رابطہ : ایم اے چوہدری' معرفت ادارہ تحریر' میثاق۔ K-36 ماڈل ٹاؤن لاہور

دس دن لندن میں

امیر تنظیم کے دورۂ لندن کی روداد

از قلم : ڈاکٹر ابصار احمد

امیر تنظیم اسلامی برادر محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو پروگرام کے مطابق امریکہ سے واپسی پر دس روز کے لئے لندن رکنا تھا۔ اس قیام میں اہم ترین پروگرام جو کئی ماہ قبل طے پا چکا تھا مسلم یونٹی آرگنائزیشن اور حزب التحریر کے زیر انتظام منعقد ہونے والی عالمی خلافت کانفرنس میں شرکت اور خطاب کا تھا۔

لندن اور گردونواح میں تنظیم اسلامی کے متعدد رفقاء اور رفیقات ہیں' اگرچہ بوجوہ امیر محترم نے دو ماہ پہلے لندن تنظیم کو ختم کر دیا تھا اور رفقاء انفرادی طور پر وہاں تنظیم اسلامی کی دعوت پھیلا رہے تھے جن میں ڈاکٹر صاحب کے دروس و تقاریر کے ویڈیو اور آڈیو کیسٹ کی تقسیم و ترسیل سرفہرست ہے۔ راقم الحروف امیر محترم کے لندن میں قیام کے انتظامات اور بعض اداروں اور احباب سے رابطے کی غرض سے ۲۶/ جولائی کی صبح امریکہ سے لندن پہنچ گیا تھا۔ گیٹ وک ایئرپورٹ پر جناب ظہور الحسن صاحب اور جناب محمد سعید احمد صاحب نے مجھے receive کیا اور میرا قیام حسن صاحب کے گھر پر ہوا جو نارتھ لندن کے علاقے Enfield میں واقع ہے۔ حسن صاحب کی اہلیہ محترمہ تنظیم اسلامی کے قرآنی و دعوتی فکر کو خواتین کے حلقے میں جس تندہی اور جانفشانی سے پھیلا رہی ہیں وہ ناقابل بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جزائے خیر سے نوازیں۔ آمین ثم آمین۔ انکے ہاں پاکستانی و غیرپاکستانی دینی بہن بھائیوں کی آمد کثرت سے دیکھنے میں آئی اور یہ میاں بیوی مہمانوں کی خاطر مدارات میں کوئی کسر اٹھا نہیں چھوڑتے۔ کھانے اور مشروبات کے ساتھ ویڈیو پر ڈاکٹر صاحب کی تقاریر سنوانے کا اہتمام بھی ہوتا ہے۔ خود مسز حسن اکیلی کچن میں کھانا پکانے کے دوران مسلسل ڈاکٹر صاحب کے دروس کے ویڈیو چلائے رکھتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ موصوفہ نے نہ صرف لندن کی متعدد آبادیوں بلکہ لندن سے ڈیڑھ دو سو میل کے فاصلے پر واقع شہروں میں جاکر بھی قرآن کا ترجمہ پڑھانے کا اہتمام کیا ہے اور کئی جگہوں پر پورے قرآن کو ترجمے کے ساتھ پڑھا چکی ہیں۔ چنانچہ خواتین کے وسیع حلقوں میں قرآنی تعلیمات اور تنظیم اسلامی کو متعارف کرا چکی ہیں۔

لندن میں مکان بالعموم بہت چھوٹے ہوتے ہیں اور باتھ روم کا اہتمام گراؤنڈ فلور پر نہیں

ہوتا۔ چونکہ امیر محترم کی گھٹنے کی تکلیف نیویارک میں قیام کے دوران خاصی بڑھ گئی تھی اس لئے ان کی خواہش تھی کہ لندن میں ان کے قیام کا انتظام ایسا ہو کہ وہ سیڑھی چڑھنے کی مشقت سے بچ جائیں۔ چنانچہ سبھی احباب اس بارے میں متفکر تھے۔ متعدد احباب کی طرف سے اس ضمن میں آفر موجود تھی۔ چنانچہ میرا کچھ وقت حسن صاحب اور ان کی اہلیہ محترمہ کے ساتھ رہائش گاہ کے انتخاب کے سلسلے میں بھی صرف ہوا۔ اس بھاگ دوڑ کا اضافی فائدہ یہ ہوا کہ بہت سے رفقاء سے ملاقات اور مختلف آبادیوں کی مساجد اور مسلمان حضرات کے بود و باش سے متعلق بہت سی نئی باتیں علم میں آئیں۔

لندن تنظیم کے سابق امیر جناب شبیر علی خان صاحب، حسن صاحب اور کچھ دوسرے رفقاء نے کوشش کر کے لندن کے وسطی علاقے فنزبری پارک کی مسجد کا ایک پورا فلور ڈاکٹر صاحب کے قیام کے دوران رفقاء تنظیم کے اجتماعات اور باہم ملاقات کے لئے حاصل کر لیا۔ راقم الحروف بیس بائیس سال قبل لندن میں تعلیم کے دوران اس علاقے میں جمعہ کی نماز ادا کرتا رہا تھا۔ لیکن اُس وقت نماز جمعہ کی ادائیگی ایک گھر کے بڑے کمرے میں ہوتی تھی۔ اب یہ دیکھ کر انتہائی خوشی ہوئی کہ فنزبری پارک میں ٹیوب سٹیشن کے بالکل قریب چار منزلہ عمارت کی شکل میں باقاعدہ مسجد (Purposely built mosque) حال ہی میں تعمیر ہوئی ہے جو مختلف اطراف سے بہت نمایاں نظر آتی ہے۔ قریب ہی سڑک کے پار ایک عرب کلچرل سنٹر اور اسلامی کتب کی دکان بھی ہے۔ چنانچہ اس پورے علاقے میں مسلمانوں کی موجودگی سے دیار فرنگ میں اسلام کی نمائندگی کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ میری لندن میں آمد سے دو ایک روز قبل شارجہ سے تنظیم کے ایک رفیق جناب فرخ ریاض صاحب بھی اپنی فیملی کے ہمراہ امیر محترم سے ملاقات اور جملہ پروگراموں سے استفادے کے لئے وہاں پہنچ گئے تھے۔ ریاض صاحب نے اڑھائی ہفتے کرائے پر حاصل کی گئی آٹھ سیٹوں والی نئی ٹویوٹا ویگن اپنے ساتھ رکھی، جس کی وجہ سے لندن میں گھومنے پھرنے اور جملہ انتظامات کے سلسلے میں بہت مدد ملی۔

۲۷/ جولائی کو بعد نماز عصر فنزبری پارک مسجد میں رفقاء کی میٹنگ رکھی گئی، تاکہ ڈاکٹر صاحب کے دروس و خطابات کے پروگرام طے کر کے تشہیر کا مناسب انتظام کیا جا سکے۔ معلوم ہوا کہ لندن کی وسعت اور فاصلوں کے طویل ہونے کے باعث رفقاء کا میٹنگ میں بروقت پہنچنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ چنانچہ متذکرہ بالا میٹنگ میں بھی پانچ چھ رفقاء اور احباب ہی پہنچ پائے۔ تاہم مشورے کے بعد ۸/ سے ۱۳/ اگست کی شاموں کا پروگرام طے کر لیا گیا۔ دو تین پروگراموں کی تاریخیں اور عنوانات ڈاکٹر صاحب کو نیویارک Fax بھی کر دیئے گئے۔

حسب پروگرام ڈاکٹر صاحب مع اہلیہ محترمہ اور سراج الحق سید صاحب پی آئی اے کی فلائٹ سے براستہ فرینکفرٹ ۴/ اگست کی سہ پہر کو لندن کی ہیتھرو ایئرپورٹ پر پہنچے۔ ان سب کے

استقبال کے لئے متعدد رفقاء اور ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ محترمہ کو خوش آمدید کہنے کے لئے بعض رفقاء کے اہل خانہ بھی ایئرپورٹ پر موجود تھے۔ سراج الحق سید صاحب کو تو اپنے چھوٹے بھائی کے ہاں قیام پذیر ہونا تھا' اس لئے وہ ایئرپورٹ سے ہی ہم سے جدا ہو گئے اور باقی حضرات ایک کار اور ایک وین میں سوار ہو کر ولسڈن گرین میں واقع ایک مکان پر پہنچے' جہاں ڈاکٹر صاحب کے قیام کا انتظام کیا گیا تھا۔ تاہم کچھ مشورے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے حسن صاحب کے ہاں ہی قیام کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ دو دن حسن صاحب کے ہاں قیام رہا اور اس کے بعد ہم نارتھ لندن میں محمد اصغر چوہدری صاحب کے مکان ۱۰۔ ڈینی روڈ پر منتقل ہو گئے جہاں کچن' باتھ روم اور لاؤنج وغیرہ کا انتظام بہت عمدہ تھا۔ بالائی کمروں میں راقم الحروف اور جناب محمود میاں صدیقی نے قیام کیا۔ اصغر چوہدری صاحب نے ہمارے قیام کو ممکنہ حد تک آرام دہ بنانے کے علاوہ پھلوں' انڈوں اور دیگر اشیاء سے ریفریجریٹر کو مسلسل پُر رکھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم ان کی اس مہمان نوازی کا کسی طور شکریہ ادا نہیں کر سکتے۔ اصغر چوہدری صاحب سے رابطے کا ذریعہ ایک دوست اعجاز قریشی صاحب بنے جن کی اپنی خواہش بھی تھی کہ ڈاکٹر صاحب ان کے گھر پر فروکش ہوں' لیکن وہاں چونکہ وہی مسئلہ تھا کہ باتھ روم آنے جانے کے لئے سیڑھیاں اترنی چڑھنی پڑتی تھیں لہٰذا اصغر چوہدری صاحب کی پیشکش قبول کی گئی۔ یہ دونوں حضرات طویل عرصے سے لندن میں مقیم ہیں اور ڈاکٹر صاحب سے کیسٹس کے ذریعے سے متعارف ہیں۔

۵ / اگست کا جمعہ ڈاکٹر صاحب نے Enfield کی ایک چھوٹی سی مسجد میں پڑھایا اور انگریزی میں خطاب کیا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد تھوڑا سا آرام کیا اور پھر چند احباب ملاقات کے لئے آ گئے۔ جن میں قرآن سوسائٹی لندن کے ڈاکٹر صہیب حسن صاحب قابل ذکر ہیں۔ صہیب صاحب سے ملاقات مختصر رہی کیونکہ ہمیں فوراً ہی پونے دو سو میل کی مسافت پر واقع ڈان کاسٹر پہنچنا تھا جہاں بعد نماز مغرب ایک صاحب کے مکان پر ڈاکٹر صاحب کا خطاب تھا۔ ڈان کاسٹر کا سفر جناب مفتی صاحب کی دعوت پر پہلے سے طے شدہ تھا۔ ریاض صاحب کی آرامدہ نئی وین پر یہ سفر سوا تین گھنٹوں میں طے ہوا۔ راستے میں انگلستان کے countryside کے دلکش مناظر اور سرسبز و شاداب وادیاں بہت بھلی معلوم ہوئیں۔ مغرب کے بعد ایک گھر کے خاصے بڑے ڈرائنگ روم میں مسلمانوں کی دینی ذمہ داریوں کے موضوع پر پونے دو گھنٹے کا خطاب ہوا۔ خواتین کی بھی کثیر تعداد نے تقریر سنی۔ نماز عشاء کے بعد سوال و جواب کی نشست ہوئی۔ تقریباً ساڑھے گیارہ بجے شب مفتی صاحب کے دولت کدے پر واپسی ہوئی۔ صبح نماز فجر کے بعد صرف ایک کپ چائے پی کر تمام حضرات لندن کے لئے روانہ ہو گئے۔ ہفتے کی صبح کو ویک اینڈ کی وجہ سے ٹریفک کا رش کم تھا اس لئے واپسی کا سفر فقط اڑھائی گھنٹوں میں طے ہو گیا۔

۷ / اگست کو پورا دن حزب التحریر کے زیر انتظام منعقد ہونے والی عالمی خلافت کانفرنس میں

صرف ہوا۔ اس کانفرنس کی روداد اور ڈاکٹر صاحب کی تقریر کے اہم نکات قارئین کرام "ندائے خلافت" کے صفحات میں دیکھ سکتے ہیں (نیز زیر نظر شمارے میں شامل امیر تنظیم کے خطاب جمعہ میں بھی اس کانفرنس کا تفصیلی ذکر موجود ہے)۔ ۸/ اگست کی شام کو ولسڈن گرین کی زیر تعمیر مسجد میں ڈاکٹر صاحب کی تقریر ہوئی۔ شرکاء کی خاصی بڑی تعداد نے انہماک سے تقریر سنی۔ بعد ازاں ملحقہ مسلم یوتھ کلب میں ایک مقامی انگریزی ہفتہ وار اخبار کے نمائندے نے ڈاکٹر صاحب کا مفصل انٹرویو ریکارڈ کیا۔ خاص طور پر تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت پاکستان کے حوالے سے بہت سے سوالات کے جواب دیئے گئے اور مفید وضاحتیں کی گئیں۔

اگلے روز یعنی ۹/ اگست کو بعد نماز عصر ساؤتھ لندن کی آبادی کرائڈن کی جامع مسجد میں خطاب طے تھا۔ چونکہ نارتھ لندن سے کرائڈن کا فاصلہ خاصا تھا اس لئے ڈاکٹر صاحب عصر کی نماز کے بعد آدھے گھنٹے کی تاخیر سے وہاں پہنچ سکے۔ راقم الحروف کچھ احباب اور خواتین کے ساتھ وہاں بروقت پہنچ گیا تھا۔ چنانچہ نماز کے بعد بیس پچیس منٹ انگریزی میں تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت پاکستان کا تعارف راقم نے سامعین کے سامنے پیش کیا۔ اس خوبصورت اور وسیع مسجد میں گجرات (انڈیا) کے کاروباری اور کھاتے پیتے حضرات کا عمل دخل دیکھنے میں آیا۔ علاوہ ازیں افریقی اور کچھ دوسرے ممالک سے آئے ہوئے مسلمان بھی نظر آئے۔ ان سب نے ڈاکٹر صاحب کی تقریر بہت دلچسپی سے سنی جس میں مسلمانوں کی زبوں حالی کا جائزہ اور اسباب کا ذکر تھا۔ ساتھ ہی ڈاکٹر صاحب نے حزب التحریر کے موقف پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ تقریر کے بعد سوال جواب کی نشست رہی۔ سامعین میں سے بعض حضرات نے بڑے عملی و علمی سوال کئے جن کا تسلی بخش جواب دیا گیا۔

۱۰/ اگست کی شام اسلامک کلچرل سنٹر (ریجنٹ پارک) کے لئے مختص تھی۔ جہاں "اکیسویں صدی کے یورپ میں مثالی مسلمان عورت کا تصور" کے موضوع پر ڈاکٹر صاحب کو خطاب کرنا تھا۔ اس پروگرام کو خاصا advertise کیا گیا تھا اور اس تقریر کا انتظام بھی ایک مشفق دوست جناب حسینی صاحب نے مختلف تنظیموں کے تعاون و اشتراک سے کیا تھا۔ تقریر سننے کے لئے خواتین و مرد حضرات کی بڑی تعداد موجود تھی بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ کلچرل سنٹر کے تہ خانے میں واقع پورا کانفرنس ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی تقریر کا آغاز علامہ اقبال کے اس شعر سے کیا ۔

زمانہ ایک ' حیات ایک ' کائنات بھی ایک
دلیلِ کم نظری قصۂ قدیم و جدید

اور کہا کہ چونکہ مرد اور عورت کی جسمانی ساخت' نفسیات اور فطری تقاضوں میں مرورِ زمانہ سے

کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی اس لئے قرآن حکیم میں دیئے گئے ستر و حجاب کے قوانین اور اخلاقی تعلیمات پر عمل کر کے ہی مسلمان عورت ہر جگہ اور ہر زمانے میں مثالی خاتون ثابت ہو سکتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ضمناً ایمان کی ضرورت اور اسلام کے معاشرتی نظام سے متعلق اقدار کے احیاء پر بھی زور دیا۔

۱۱/ اگست بروز جمعرات گھر پر ڈاکٹر صاحب مختلف احباب سے ملاقات میں مصروف رہے، جن میں حزب التحریر سے دلچسپی رکھنے والے بعض اعلیٰ تعلیم یافتہ پاکستانی نوجوان وکلاء اور انجینئر تھے۔ ان میں جناب امیر سلطان، اقبال احمد، اختر ریاض راجہ اور نعیم رزاق خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان حضرات کی پاکستان کے حالات سے دلچسپی اور احیاءِ اسلام کے ضمن میں فکر دیدنی تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے بوجوہ ۱۱/ اگست اور ۱۳/ اگست کی شاموں کے طے شدہ پروگرام ختم کر کے رفقاء کو پابند کیا کہ وہ تین دن ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب کے قرآنی سٹڈی سرکل اور تربیتی پروگرام میں ہمہ وقتی شرکت کریں۔ جو فنزبری پارک کی مسجد میں جاری تھا اور جس میں فرانس سے آئے ہوئے رفقاء پہلے سے شریک تھے۔

۱۲/ اگست کو فنزبری پارک میں جمعے کا خطاب انگریزی زبان میں ہوا جو آدھے گھنٹے کے دورانیہ پر مشتمل تھا۔ خواتین کی بڑی تعداد نے بھی نماز جمعہ میں شرکت کی۔ سورۂ حجرات کی آیت ۱۴ کے حوالے سے محترم ڈاکٹر صاحب نے اسلام اور ایمان کے مابین فرق کو واضح کیا۔ سامعین میں مختلف قوموں اور ممالک سے تعلق رکھنے والے مسلمان شامل تھے اور اکثریت کے چہرے اس بات کی غمازی کر رہے تھے کہ بات بہت واضح ہو کر دل میں اتر رہی ہے۔ آخر میں دین کے غلبے کی جدوجہد کے تقاضے مختصراً بیان کئے اور دعا پر یہ خطاب ختم ہوا۔ عربی خطبہ اور نماز کی امامت کے فرائض بھی امیر محترم نے انجام دیئے۔ اڑھائی بجے ہم نے قریب ہی واقع لندن کے ماہنامہ امپیکٹ انٹرنیشنل کے دفتر کا رخ کیا جہاں جناب حاشر فاروقی صاحب اور ایڈیٹر سید نیاز احمد سے امیر محترم کی ملاقات کے لئے وقت طے تھا۔ دفتر کے صدر دروازے پر پرانے شناسا دوست سلیم صدیقی صاحب نے استقبال کیا۔ بعد ازاں اہتمام کے ساتھ سوال و جواب اور افہام و تفہیم کی نشست کا آغاز ہوا۔ "امپیکٹ" گزشتہ دو دہائیوں سے شائع ہو رہا ہے اور مسلم دنیا میں اس کا شمار اہم ترین جرائد میں ہوتا ہے۔ حاشر فاروقی صاحب نے خاص طور پر عالمی خلافت کانفرنس کے حوالے سے سوالات کئے، بعض وضاحتیں چاہیں اور اپنے خیالات کا اظہار بھی کھل کر کیا۔ بہر حال نقطۂ نظر کے فرق اور بعض بنیادی اختلافات کے باوجود دو گھنٹے طویل یہ ملاقات بہت دلچسپ رہی، اور تبادلۂ خیال سے مسائل کے بعض نئے گوشے سامنے آئے۔

امیر محترم نے پاکستان کے ۴۸ ویں یومِ استقلال کی مناسبت سے احباب سے مشورے کے

بعد ۱۳/اگست کو ایک خطابِ عام کا پروگرام بنایا۔ لیکن وقت کی کمی کے باعث اس تقریر کے لئے کوئی مناسب ہال بُک نہ کروایا جاسکا۔ چنانچہ یہ پروگرام بھی فنزبری پارک کی مسجد میں ہی رکھا گیا۔ اس پروگرام کا اشتہار روزنامہ جنگ لندن میں ۱۲/اگست کو شائع ہوا اور ہینڈ بل بھی کئی سو کی تعداد میں مختلف آبادیوں میں تقسیم کئے گئے۔ نماز عصر کے بعد شام ۷ بجے امیر محترم نے "پاکستان کا ماضی' حال اور مستقبل" کے عنوان پر نہایت جامع خطاب فرمایا جس میں پاکستانی اور بنگلہ دیشی مسلمانوں کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ خواتین کے لئے بھی علیحدہ نشست کا اہتمام کیا گیا تھا۔
۱۳/اگست کی صبح کو لندن کے نواحی علاقوں Buckingham shire اور ووکنگ (Surrey) بھی جانا ہوا۔ ووکنگ کی تاریخی مسجد میں نماز ظہر ادا کی۔ یہ انگلستان میں پہلی مسجد تھی جو بیگم صاحبہ بھوپال نے تعمیر کروائی۔ اس مسجد پر ایک عرصے تک قادیانیوں کا قبضہ رہا' اب چند برسوں سے یہ صحیح العقیدہ مسلمانوں کے زیر انتظام ہے۔ دوپہر کے کھانے پر ڈاکٹر صاحب کراچی کے لطف اللہ خان صاحب کے ہاں مدعو تھے' جو ووکنگ میں اپنی صاحبزادی کے ہاں آئے ہوئے تھے۔ کھانے پر "امپیکٹ" کے سید نیاز احمد صاحب کے علاوہ برائٹن مسجد کے امام اور ڈائریکٹر ڈاکٹر عبد الجلیل ساجد صاحب بھی تشریف لائے جس سے پُر تکلف کھانے کا مزا دوچند ہو گیا۔

قبل ازیں تحریر کیا جاچکا ہے کہ پیرس (فرانس) سے متعدد رفقاء واحباب وہاں کے امیر جناب محمد اشرف صاحب کی زیر قیادت لندن آئے اور کئی روز یہاں کے پروگراموں میں شرکت کی۔ ان میں سے بعض حضرات نے بیعت کر کے تنظیم میں شمولیت اختیار کی۔ اسی طرح ۱۴/اگست کو صبح اور دوپہر کا خاصا وقت بھی فنزبری پارک مسجد میں رفقاءِ لندن سے ملاقات میں صرف کیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے عمومی ہدایات پر مبنی الوداعی خطاب بھی کیا اور پرانے رفقاء نے تجدید بیعت کے علاوہ کئی نئے احباب نے تنظیم کی رفاقت کے فارم پر کئے اور بیعت کی۔ قارئین کے لئے یہ بات خوش کن ہوگی کہ ان نئے رفقاء میں فنزبری پارک مسجد انتظامیہ کے بعض اہم حضرات بھی شامل تھے۔ اس سے اس امید کو خاصی تقویت ملی کہ انشاء اللہ اس مسجد کو آئندہ تنظیم اسلامی لندن کی سرگرمیوں کا مرکز بنایا جاسکے گا۔ ان اہم حضرات میں سے بالخصوص جناب مرزا صاحب نے نماز ظہر کے بعد کچھ فاصلے پر واقع اپنے گھر پر دس پندرہ حضرات کے ساتھ ہم سب کو کھانے کی دعوت دی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں مسجد ہذا کی خدمت کے ساتھ ساتھ غلبۂ دین کی اس جدوجہد میں بھی بھرپور طریقے سے حصہ لینے کی توفیق عطا کریں جس کے لئے تنظیم اسلامی کا قیام عمل میں آیا ہے۔ آمین۔

جمعۃ المبارک ۱۲/اگست کو ۵ بجے سے ساڑھے چھ بجے سہ پہر مسجد میں بنائے گئے تربیتی مرکز میں حزب التحریر کے بعض نوجوانوں سے بھی ملاقات ہوئی جن میں ڈاکٹر عبد الباسط اور جمال ہارووڈ

قابل ذکر ہیں۔ ۱۴/ اگست کی شام کو متعدد حضرات ہمیں خدا حافظ کہنے کے لئے ایئرپورٹ تشریف لائے اور اس طرح دس روزہ دورۂ لندن تکمیل کو پہنچا۔ امیر محترم نے آئندہ تین ماہ کے لئے تمام رفقاء کو انفرادی حیثیت میں دعوتی و تنظیمی کام جاری رکھنے کی ہدایت کی ہے' بعد ازاں وہاں کے نظم کے بارے میں فیصلے کئے جائیں گے۔ محترم سراج الحق سید صاحب نے بھی اس دوران خاصا وقت تربیتی پروگرام اور رفقاء سے انفرادی ملاقاتوں میں لگایا۔ انہیں چونکہ مزید چار پانچ دن لندن میں قیام کرنا تھا اس لئے نئے رفقاء کی تعلیم و تربیت اور ہدایات کے ضمن میں ان پر اضافی ذمہ داری ڈالی گئی۔

ہمارے لندن قیام کے دوران رفیق تنظیم سید محمد ہاشم صاحب کی Fax مشین بہت کام آئی اور پاکستان اور امریکہ سے رابطے کا ذریعہ بنی رہی۔ ہاشم صاحب نے ایک صبح کے لئے پر تکلف ناشتہ بھی ہماری جائے رہائش پر بھجوایا جو ہمیشہ یاد رہے گا۔ ساؤتھ انڈیا سے تعلق رکھنے والے اقبال صاحب نے بھی نہ صرف اپنی کار پر امیر محترم کو مختلف جگہوں پر پہنچانے کا انتظام کیا بلکہ عالمی خلافت کانفرنس کے دن وہ پورا وقت ان کے ساتھ رہے۔ جناب کرمانی صاحب سے بھی پہلی دفعہ راقم کا تعارف ہوا۔ تربیتی پروگراموں کے دوران گفتگو کا موقع ملتا رہا۔ جناب ولید صاحب اپنی ناسازیٔ طبع کے باعث مختصر وقت کے لئے بعض نشستوں میں آئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں صحت کاملہ عطا کریں۔ آمین

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا یہ دورۂ انگلستان چار سال کے وقفے کے بعد ہوا تھا۔ گزشتہ دورے کے نتیجے میں تنظیم اسلامی لندن وجود میں آئی تھی۔ مجھے پوری توقع تھی کہ حالیہ دورے سے رفقاء تنظیم کا جوش و جذبہ کئی گنا بڑھ جائے گا اور وہ زیادہ تندہی اور نظم و ضبط کی پابندی کے ساتھ دعوت دین کا کام کر سکیں گے۔ انگلستان کی اہمیت کا اعتراف خود ڈاکٹر صاحب نے خلافت کانفرنس والی تقریر میں کیا' جب آپ نے لندن کو مغربی دنیا کا قلب قرار دیا۔ علاوہ ازیں اس مرتبہ ڈاکٹر صاحب کی ملاقات متعدد باصلاحیت اور اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد سے ہوئی جن سے اگر آئندہ بھی تبادلہ خیال اور گفتگو جاری رکھی جائے تو بہت مفید نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے اور انگلینڈ میں اسلام کے انقلابی پیغام اور تنظیم کی دعوت کے فروغ کی راہ ہموار ہو سکتی ہے۔

امیر تنظیم کے دورۂ لندن کے دوران فنزبری پارک مسجد میں ایک پورے فلور پر تنظیم کی کتابوں' رسائل' کیسٹس اور ویڈیوز کی نمائش کا اہتمام اور فرشی نشست کے لوازمات اور چائے' پھل اور بسکٹوں کا انتظام جناب ظہور الحسن صاحب نے کیا۔ اس میں انہیں ریاض صاحب اور راقم کے علاوہ بعض دوسرے نوجوانوں کی مدد ملتی رہی' جن میں ساؤتھ آل کے جناب عبد الرشید صاحب اور ان کے چار نہایت صالح اور مستعد جواں سال بیٹوں کا ذکر ضروری ہے۔ رشید صاحب نے اپنے بڑے بیٹے سمیت تنظیم میں شمولیت اختیار کر لی ہے۔ ان کی اہلیہ محترمہ پہلے ہی

سے تنظیم سے وابستہ ہیں۔ آخر میں یہ بھی بتاتا چلوں کہ امیر تنظیم اسلامی کی اہلیہ محترمہ کی موجودگی کی وجہ سے خواتین کے متعدد پروگرام علیحدہ بھی ہوتے رہے جن میں سے دو ایک میں محترم ڈاکٹر صاحب اور سراج الحق سید صاحب نے بھی شرکت کی اور ضروری ہدایات دیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے دین متین کی خدمت کی توفیق سے نوازیں۔ آمین۔

میرٹ اسکالرشپ

تین سال کے لئے ایک ہزار روپے ماہانہ کی بنیاد پر ایک اسکالرشپ دستیاب ہے جو ایسے طالب علم کو دیا جائے گا جو قرآن کالج سے بی اے کا تین سالہ کورس مکمل کرنے کا عزم رکھتا ہو۔

- درخواست دینے والے طلبہ میں سے انتخاب ان کے انٹر کے نمبر اور تحریری ٹیسٹ کے نمبروں کی بنیاد پر ہو گا۔
- حفاظ قرآن کو دس نمبر اضافی دیئے جائیں گے۔
- رفقاء تنظیم اسلامی اور اراکین مرکزی انجمن خدام القرآن کے بچوں کو بھی دس نمبر اضافی ملیں گے۔
- اسکالرشپ حاصل کرنے والے طالب علم کیلئے قرآن کالج ہاسٹل میں رہائش رکھنا لازم ہو گا۔
- تعلیمی کارکردگی تسلی بخش نہ ہونے کی صورت میں اسکالرشپ معطل یا منسوخ کیا جاسکتا ہے۔
- کسی بھی بنیاد پر کالج / ہاسٹل سے اخراج کی صورت میں اسکالرشپ خود بخود منسوخ ہو جائیگا۔

اسکالرشپ کے لئے درخواست دینے والے خواہش مند طلبہ ۱۵ روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر کورس اور کالج کے نظم و نسق سے متعلق تفصیلات حاصل کر سکتے ہیں۔

المعلن : پرنسپل قرآن کالج، 191۔ اتاترک بلاک نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

بقیہ "عرض احوال"

دشمنوں کے خلاف ہر وقت ہر طرح کی جنگی تیاری برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اس پر امریکہ اگر بگڑ جاتا ہے تو ایک ہی بار کرلے ہمارے ساتھ جو کرنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ نے پہلے ہمارے ساتھ اگر کوئی بھلائی کی تو اپنے مفاد میں کی تھی اور آئندہ بھی اگر اسے ہم سے سروکار رکھنا ہوا تو اپنی غرض سے رکھے گا ورنہ ہماری پرواہ اسے کبھی تھی نہ اب ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اخباری اطلاعات کے مطابق حکومت پاکستان نے کشمیر کے تنازع میں یو این او کے سیکریٹری جنرل بطروس غالی کی ثالثی قبول کرلی ہے جس کی تجویز خود بھارت نے اس وقت پیش کی جب حقوق انسانی کمیشن سے ہم نے کشمیر کے بارے میں اپنی شکایت واپس لی تھی۔ انہوں نے خبردار کیا کہ یو این خود امریکہ کا طفیلی ادارہ بن چکا ہے جبکہ اس کا سیکریٹری جنرل صرف نام کا غالی نہیں بلکہ اصلی غالی یعنی متعصب عیسائی اور اپنی بیوی کے واسطے سے صیہونی اثرات کا تابع بھی ہے۔ اس ثالثی سے خیر کی کوئی امید نہیں چنانچہ ہمیں تو ایران کی طرف سے ثالثی کی اس پیشکش کو قبول کرنا چاہئے جو حال ہی میں بھارت کا دورہ کرتے ہوئے ایرانی حکومت کے ایک ذمہ دار رہنما ڈاکٹر حسن روحانی کی طرف سے آئی ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ایران پہلے ہی امریکہ کا ہدف تھا اور ہمارا شمار بھی پسندیدہ ممالک میں تو قطعاً ازیں بھی نہیں تھا' نواز شریف کے دھماکے کے بعد ہم بھی پوری طرح زیر عتاب آجائیں گے چنانچہ ایک مشترک درد ہمارے لئے اور اہل کشمیر کے لئے ایران کی ہمدردی میں یقیناً اضافے کا موجب ہوگا۔

امیر تنظیم اسلامی نے ملک کی سیاسی صورت حال پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھنا چاہئے۔ آج پاکستان کا ہر شہری حالات کی سنگینی سے پریشان ہے۔ حکومت اور اپوزیشن میں محاذ آرائی نے باقاعدہ دشمنی کی شکل اختیار کرلی ہے جس کے نتیجے میں اگر مارشل لاء کا نفاذ ہوا تو وہ پہلے مارشل لاؤں سے مختلف ہوگا کیونکہ باخبر حلقوں کا کہنا ہے کہ فوج کی اعلیٰ قیادت میں بھی اس دھڑے بندی کے اثرات سرایت کرچکے ہیں جس نے ملکی سیاست کو تقسیم کرکے تہہ و بالا کر دیا۔ اگر خدانخواستہ یہ بات درست ہے تو مارشل لاء خانہ جنگی کو بھی جنم دے سکتا ہے جس کے لئے بارود ملک کے گوشے گوشے میں پہلے سے ہی جمع ہو رہا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ بے نظیر بھٹو پر بھی اپوزیشن میں آکر ہی چودہ طبق روشن ہوئے تھے اور پی پی پی نے بھی آخر کار نواز شریف حکومت کے قدم اکھاڑنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ سابقہ اپوزیشن نے حکومت کو کام کرنے کا خاصا موقع دیا تھا جبکہ موجودہ اپوزیشن جس کے قائد نواز شریف ہیں' نئی

حکومت کو ایک دن کی مہلت دینے کی بھی روادار نہ ہوئی اور ان کا تازہ ترین ایٹمی دھماکہ بھی دراصل اسی محاذ آرائی کی انتہا ہے جس میں نواز شریف ہوش و حواس کھو بیٹھے ہیں۔ جس اعتراف کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ سوچ سمجھ کر کیا اس پر ان کے دوست بھی حیران ہیں اور ہم بھی ان سے اس سوال کا حق رکھتے ہیں کہ یہ مجاہدانہ اعلان انہوں نے اپنی وزارت عظمیٰ کے زمانے میں کیوں نہ کیا جبکہ بھارت کی جنگی تیاریاں اور کشمیری مسلمانوں پر اس کے ظلم و ستم نے تو اس وقت بھی ہر حد کو پھلانگ لیا تھا۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے فرقہ واریت میں کشیدگی کے روز افزوں اضافے اور قتل در قتل اور حملوں پر جوابی حملوں کو بھی خطرناک قرار دیا جبکہ قوم کو اخلاقی پستی اور کردار کے زوال کے ساتھ جس تیزی سے سیکولرازم کی طرف لے جایا جا رہا ہے اس کے نتیجے میں نفاق کا وہ مرض اور بڑھ جائے گا جو کم از کم ایک مسلمان معاشرے کو تو ضرور تباہی کے گڑھے میں گرا کر چھوڑتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ قاہرہ میں خاندانی منصوبہ بندی کے جس سیمینار میں پاکستان جوش و خروش سے حصہ لینے کی تیاری کر رہا ہے اس میں فحاشی کو ایک سائنس بنا کر پیش کیا جائے گا۔ مسلمانان پاکستان کو دعوت فکر دیتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ قوم جن امراض کا شکار ہو گئی ہے ان کا واحد علاج اسلام کی طرف پلٹنے میں ہے جسے اختیار نہ کیا گیا تو نتائج کی ہولناکی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہماری سزا میں شدت پیدا ہوتی چلی جائے گی۔ انہوں نے اس امر پر بھی افسوس کا اظہار کیا کہ اپنی غلط حکمت عملی کے نتیجے میں مذہبی طبقات بالکل غیر مؤثر ہو کر رہ گئے ہیں۔ ان کی نہ تو ایوان حکومت میں شنوائی ہوتی ہے اور نہ سیاست ہی میں ان کا کوئی وزن باقی ہے۔OO

ضرورت رشتہ

ایک دینی مزاج کے حامل نوجوان کے لئے صوم و صلوٰۃ اور پردہ کی پابند' ترجیحاً دینی تعلیم یافتہ ایسی عفت مآب کا رشتہ مطلوب ہے جو بے دینی اور فحاشی کو دلفریب و دلکش بنانے کے ذمہ دار ٹی وی کی لعنت و خباثت سے محفوظ رہنے کی خواہاں ہو۔ حلال ذریعہ آمدنی رکھنے والے ایسے گھرانے سے رشتہ مطلوب ہے جو غیر اسلامی رسومات اور جہیز کی لعنت کو ترک کرنے کی ہمت رکھتے ہوں۔ نوجوان گریجویٹ ہے اور تقریباً ۳۰۰۰/- روپے ماہوار تنخواہ پر ایک سرکاری ادارے میں ٹائپسٹ ہے۔

پتہ: علی محمد' اسسٹنٹ سیکرٹری جنرل تعلیمی بورڈ' ملتان' فون 521147

نقباء کی ایک روزہ تربیت گاہ کراچی

ہر نظریاتی جماعت اپنے کارکنوں میں نظریہ کو زندہ رکھنے اور اسے پروان چڑھانے کے لئے مختلف کورسز کا اہتمام کرتی ہے تاکہ مقصد مستحضر رہے اور اس کی طرف پیش قدمی جاری رہے۔ تنظیم اسلامی بھی ایک نظریاتی جماعت ہے جس کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہے یعنی اللہ کی زمین پر اللہ کے نظام کو نافذ کرنے کی کوشش۔ اسے اقامت دین' حکومت الہیہ اور اسلامی نظام کا قیام بھی کہتے ہیں۔ ایک مومن کی زندگی کا مقصد از روئے قرآن یہی ہے۔ نبیؐ کی سیرت سے ہمیں یہی راستہ ملتا ہے۔ آپ کی پوری زندگی جن کاموں میں صرف ہوئی وہی آپ کی سنت ہے وہی آپ کا طریقہ ہے اور اسی پر چلنے ہی میں نجات ہے۔

تنظیم اسلامی نے اپنے اندرونی نظام کو چلانے کے لئے نظام العمل کے نام سے ایک دستور ترتیب دیا ہے۔ اس دستور کی رو سے چھوٹے بڑے حلقے وجود میں آئے ہیں۔ سب سے چھوٹا حلقہ یا یونٹ جسے ہم "اسرہ" کا نام دیتے ہیں چند رفقاء پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور کئی اسرے مل کر ایک تنظیم کو وجود میں لاتے ہیں۔ اسرہ کے افراد وہ اینٹ ہیں جس کی بنیاد پر تنظیم کی عمارت وجود میں آتی ہے اینٹ کی پختگی پر ہی عمارت کی پختگی کا دارومدار ہے۔ اس لئے اسرہ پر سب سے زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ ہر اسرہ کا ایک نقیب ہوتا ہے۔ یہ نقیب اپنے رفقاء کا نگران ہوتا ہے۔ یہ چھوٹا یونٹ جتنا مستحکم ہوگا تنظیم بھی اسی اعتبار سے مضبوط ہوگی۔ اسی لئے تنظیم اسلامی پاکستان کے ناظم اعلیٰ جناب ڈاکٹر عبدالخالق صاحب نے نقباء کی تربیت کا ایک روزہ پروگرام ترتیب دیا اور اس کے لئے آپ نے پورے پاکستان کا دورہ کیا۔ لاہور' فیصل آباد' ملتان' پشاور' راولپنڈی اور آخری پروگرام کراچی میں تھا۔ نقباء کے ساتھ امراء تنظیم کو بھی مدعو کیا گیا تھا تاکہ وہ بھی انداز تربیت سے آگاہ ہو سکیں۔ یہ پروگرام ۱۵ جولائی ۹۴ء ۸:۴۰ پر قرآن اکیڈمی کراچی میں شروع ہوا۔ ناظم حلقہ جناب نسیم الدین صاحب نے پروگرام کا افتتاح کرتے ہوئے سامعین کو متوجہ کیا کہ وہ دلجمعی اور توجہ سے شریک ہوں۔ آپ نے کہا کہ تنظیم کے نظم میں نقیب ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے جس طرح گاڑی کے صحیح چلنے کا دارومدار گیئر پر ہے یہی حیثیت جماعتی نظام میں نقیب کی ہے۔ ناظم حلقہ نے کہا کہ ناظم اعلیٰ تشریف فرما ہیں لہٰذا آپ اپنی مشکلات ان سے بیان کریں وہ ان شاء اللہ اس کا حل بتائیں گے اور رہنمائی فرمائیں گے۔ اس مختصر تمہیدی گفتگو کے بعد جناب نوید احمد صاحب نے سورہ شوریٰ کی چند آیات کا درس دیا۔ آپ نے کہا کہ جن لوگوں نے دین کے لئے تن من دھن لگانے کا عزم کیا ہے ان کی کچھ اضافی صفات ان آیات میں بیان کی گئی ہیں۔ یہ فرض جسے ہم اقامت دین کا نام دیتے ہیں کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس کی مشکلات کو سامنے رکھتے ہوئے کمر ہمت کسنی چاہئے۔ اس دین کو غالب ہونا ہے' اس کی بنیاد میں ہمارا خون شامل

ہو جائے یہی ہماری کوشش ہے۔

درس قرآن کے بعد ناظم اعلیٰ متوجہ ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ ہماری اس تربیت گاہ میں مندرجہ ذیل عنوانات زیر بحث آئیں گے جن پر مل جل کر گفتگو کرنی ہے۔ نقباء پر نظام العمل کی ذمہ داریاں، نقباء اپنے ساتھیوں کو کیسے متحرک کریں، احتسابی رپورٹوں کے حوالے سے نقباء کی ذمہ داریاں، نقباء کا رفقاء سے انفرادی سطح پر تعاون، نقباء کو دئے گئے ٹارگٹ کے حوالے سے گفتگو نیز تنظیم میں فکری اختلاف اور اس کا حل۔

ان عنوانات پر گفتگو کرنے سے پہلے آپ نے درس قرآن کے حوالے سے چند باتیں بیان کیں۔ آپ نے فرمایا ابھی جو درس دیا گیا ہے اس میں جو شرائط یا صفات بیان کی گئیں وہ اقامت دین کی جدوجہد کرنے والے افراد کے لئے کم سے کم شرائط ہیں۔ یہ دنیا ایک متاع ہے اور متاع برتنے کی چیز کو کہتے ہیں۔ یہ تصور ذہن کی سطح پر بالفعل واضح ہونا چاہئے کہ اصل گھر آخرت کا گھر ہے۔ اس زندگی میں انسان کو جو کچھ ملتا ہے وہ زائل ہونے والی شے ہے، جسے قرآن نے متاع کہا ہے۔ نیک اور صالح بیوی کو حضور نے خیر المتاع کہا ہے۔ اقامت دین میں تعاون کرنے والی بیوی خیر المتاع ہے۔ وہ لوگ جو تنظیم میں کسی بھی عہدہ پر فائز ہیں اور رفقاء کو ساتھ لے کر چلنے کی ان پر ذمہ داری ہے ان کا ذہن تو اس دنیا اور متاع دنیا پر واضح ہو جانا چاہئے۔ بات بالکل صحیح ہے کہ میاں بیوی گاڑی کے دو پہیے ہیں جب تک یہ باہم مل کر ایک رخ پر سفر نہیں کریں گے منزل سر نہیں ہوگی۔ اس لئے اس پر ہمیں خصوصی توجہ دینی چاہئے۔ اس متاع بے بہا کو خیر المتاع بنانے کے لئے اپنے فکر سے ہم آہنگ کرنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہئے۔ اس کے بعد عنوانات پر گفتگو شروع ہوئی۔ نظام العمل کی رو سے نقباء کی ذمہ داریاں۔ "اسرہ" ہمارا بنیادی یونٹ ہے۔ نقیب کو اپنے رفقاء کے ذاتی حالات سے واقف ہونا چاہئے۔ ایک خاندان کے سربراہ کی طرح اپنے اسرہ کا نگران ہونا چاہئے۔ نقیب اسرہ رفقاء کے ذاتی مسائل میں دلچسپی لے، ان کے حالات سے باخبر رہے اور دوستوں کی طرح گھل مل جائے۔ دوران گفتگو آپ نے ایک حدیث قدسی بھی سنائی جس میں حضور ﷺ کی وساطت سے اللہ نے اپنے بندوں کو خوشخبری دی ہے کہ وہ لوگ جو میری وجہ سے آپس میں محبت کرتے ہیں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں نور کا منبر عطا فرمائے گا۔

رفقاء اور نقباء کا آپس میں ملنا تو لوجہ اللہ ہی ہے۔ اس عظیم مقصد کی طرف قدم ملا کر سفر کرنا اللہ کی خوشنودی کے حصول کے لئے ہے۔ یہ بھاگ دوڑ یہ تگ و دو رضاء الٰہی کے حصول ہی کی طرف تو ہے۔ اس حدیث کا مصداق اقامتِ دین کی جدوجہد میں مل کر چلنے والوں سے زیادہ اور کون ہو سکتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ آپس کی ملاقات میں تکلف کو راہ نہ دینا چاہئے۔ بعض اوقات تکلفات رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ خاطر و مدارات میں دعوتِ "شیراز" کو مدنظر رکھے۔ ہر عنوان پر رفقاء آکر اپنا تجربہ، اپنی مشکلات یا اپنی تجاویز بیان کرتے۔ اس طرح یہ باہمی گفتگو چلتی

رہی تا آنکہ موضوع کی تکمیل ہو گئی۔

نقباء اپنے ساتھیوں کو کیسے متحرک کریں نیز علمی اور عملی تربیت کی نگرانی کس طرح ہو۔ اس کے لئے ایک "ٹارگٹ" یعنی ہدف نقباء کے ذریعہ رفقاء کو دیا جائے۔ ہمارا ہر رفیق دعوتی کام میں لگ جائے۔ یہ کام ذاتی رابطے کے حوالے سے ہونا چاہئے۔ کسی معین شخص سے وقت لے کر ملاقات کرے۔ پمفلٹ کے ذریعہ' کیسٹ اور کتابوں کے ذریعہ دعوتی کام کو بڑھائے۔ ناظم اعلیٰ ۲۶/ اگست کو پھر تشریف لائیں گے اور وہ دئے گئے ہدف پر جو کچھ کام ہوا ہے اس کا جائزہ لیں گے'

نقیب کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اسرہ کے ہر رفیق سے کم از کم ایک تفصیلی ملاقات کرے۔ اپنے اسرہ کے ہر رفیق کے کوائف فارم کا ضرور مطالعہ کرے۔ پھر ہر نقیب اپنے گھر میں بیعت فارم فریم کراکر آویزاں کرے تاکہ اس کے عزیز و اقارب اس کے حوالے سے اسے جانیں۔ نیز یہ کتبہ اس کے خاندان میں دعوت کا نقطہ آغاز بنے۔

امیر محترم کی کتاب "اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل" ــــــ کا مطالعہ ہر نقیب کے ذمہ ہے۔ ۲۶/ اگست کو ہونے والے اجتماع میں اس پر سوال و جواب ہوں گے لہٰذا اس کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔ احتسابی رپورٹ کے حوالے سے بھی گفتگو رہی' نقباء اپنے خیالات کا اظہار کرتے رہے نیز اپنی مشکلات بھی بیان کیں بعض نے اپنے تجربات سے آگاہ کیا۔ تنظیم سے دلچسپی کا یہ ایک پیمانہ ہے۔ ایک شخص اگر یہ مختصر رپورٹ ہفتہ میں ایک بار پر نہیں کر سکتا تو یہ بڑی تشویش کی بات ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اسے یہ رپورٹ عریاں کر دیتی ہے۔ خصوصاً نمازوں کے بارے میں یا اوقات کار کے فراغت کے بارے میں۔ اسے سوچنا چاہئے کہ اس رپورٹ کی حیثیت ایک نگران یا چوکیدار کی ہے جو مجھے بیدار رکھتی ہے اور کام پر آمادہ رکھنے کا داعیہ ابھارتی ہے یہ تو میرے بڑے کام کی چیز ہے۔

عصر سے عشاء تک کا وقت "تنظیم اسلامی میں فکری اختلاف اور اس کا حل" کے موضوع پر صرف کیا گیا۔ دنیا کی کوئی اجتماعیت اختلاف رائے سے نہیں بچ سکتی۔ پتھر کی مورتیوں میں تو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ جہاں جہاں انسان پایا جائے گا وہاں وہاں اختلاف موجود ہو گا۔ خواہ وہ چھوٹے سے چھوٹا خاندان ہو یا بڑی سے بڑی اجتماعیت۔ صرف دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ اس اجتماعیت نے اختلاف کو حل کرنے کے لئے کون سی تدبیر اختیار کی ہے۔ تنظیم اسلامی وہ واحد انقلابی جماعت ہے کہ جس نے پہلے ہی دن سے اختلاف کے حل کے لئے چینل مقرر کر دیئے ہیں اور اپنے نظام العمل میں اسے شامل کیا ہے۔ نقیب سے لے کر ناظم اعلیٰ تک جتنے بھی درجات ہیں وہ یکے بعد دیگرے ہر شکایت کے ازالہ کے لئے ہمہ تن تیار رہتے ہیں۔ امیر تنظیم نے بھی اپنا دروازہ اس مقصد کے لئے ہر وقت کھلا رکھا ہے تاکہ جسے بھی کوئی شکایت ہو وہ آئے وہ اس کے لئے چشم براہ ہیں۔ اس کے علاوہ سال میں دو بار توسیعی مشاورت کے نام سے اجتماع بلایا جاتا ہے جس میں ہر

رفیق آزادی سے اپنی بات بیان کر سکتا ہے۔ وہ بات خواہ امیر محترم کے خلاف ہو، تنظیم کی پالیسی سے متعلق ہو یا ارا کین مشاورت کے خلاف ہو۔ اس کے اظہار پر کوئی ملامت نہیں کی جاتی۔ سکون سے اس کی پوری بات سنی جاتی ہے اور امیر محترم اگر ضروری سمجھیں تو فوری طور پر یہ وضاحت کر دیتے ہیں۔ اس طرح اشکالات رفع ہوتے ہیں۔ یہ طریقہ کار میری معلومات کی حد تک پاکستان میں کسی بھی جماعت نے اختیار نہیں کیا ہے۔ یہ کوئی آسان کام بھی نہیں ہے۔ اجتماعیت کو صاف ستھرا رکھنے کے لئے ایسا کرنا ازبس ضروری تھا۔ اس لئے کہ جس کام کے لئے یہ تنظیم قائم ہوئی ہے وہ بڑا کٹھن کام ہے۔ یہ انبیاء کی راہ ہے۔ حضور ﷺ ہی کا تو یہ نقش قدم ہے جس پر چلنے کی یہ ادنیٰ کوشش جاری ہے۔ اجتماعیت میں قوت اسی وقت آتی ہے جب اس میں شامل ایک ایک فرد کا ذہن صاف ہو، یہ سودا ہی وہ ہے کہ جس کے سر میں سما گیا وہ کامیاب ہو گیا۔ رفقاء میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے خیالات کی صفائی ضروری ہے۔

مومن کا سب سے بڑا دشمن شیطان ہے۔ وہ ہاتھ پکڑ کر ہمیں راہ حق سے تو نہیں موڑ سکتا البتہ ذہن میں وساوس ڈالتا ہے اور دل میں پھونکیں مارتا ہے تاکہ اس راہ کا راہی بد دل ہو جائے۔ ان وساوس کو دور کرنے کے لئے یہ اجتماعات نہایت اہم ہوتے ہیں۔ ان اجتماعات میں غلط افکار کی صفائی ہوتی ہے اور ساتھیوں کو ایک نیا عزم سفر ملتا ہے۔ جس طرح امر بالمعروف کے ساتھ نہی عن المنکر کی حیثیت مسلم ہے اسی طرح غلط افکار کی کانٹ چھانٹ تنظیم کے ذمہ داروں پر واجب ہے۔

حضور ﷺ سے بڑھ کر نہ کوئی داعی ہو سکتا ہے نہ کوئی معلم، اس اخلاص کے پیکر کے ساتھ بھی لوگوں نے اپنے سینوں میں بدگمانیاں جمع کر لی تھیں تو اس دور کا بڑے سے بڑا مصلح کس گنتی شمار میں آتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو بعد میں آنے والوں کے لئے رہنمائی کہاں سے ملتی۔ قرآن نے ایسے لوگوں کے بارے میں صرف اشارات ہی نہیں دیئے ہیں بلکہ بھرپور تبصرہ کیا ہے۔ اس لئے کہ ایسے لوگ اجتماعیت کے لئے سم قاتل ہوتے ہیں۔ یہ لوگ کھلے دشمن سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ یہ مارِ آستین کبھی ناصح کے روپ میں آتے ہیں۔ کبھی بڑے خیر خواہ بن جاتے ہیں۔ ان کے چہرے بشرے سے ان کا خبثِ باطن عیاں ہوتا ہے۔ یہ بے خبر لوگوں کا شکار کرتے ہیں، اس اجتماعیت سے بدظن کرتے ہیں اور اس عظیم مقصد سے انحراف کے راستے پر ڈال دیتے ہیں۔ یہ ہمیشہ سے ہوتا رہا ہے اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔ اس سے بچنے کا ازبس طریقہ یہی ہے کہ ہمارا تصور واضح ہو۔ ہمارے فکر میں کوئی ابہام نہ ہو۔ کوئی بات ڈھکی چھپی نہ ہو اور رفقاء کو اپنے ذہن میں پیدا ہونے والے اشکالات پیش کرنے کی کھلی اجازت ہو بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ اس طرح اس کا سدباب کیا جا سکتا ہے جس کے لئے تنظیم نے پہلے ہی سے ایسے چینل مقرر کر دیئے ہیں۔ OO

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

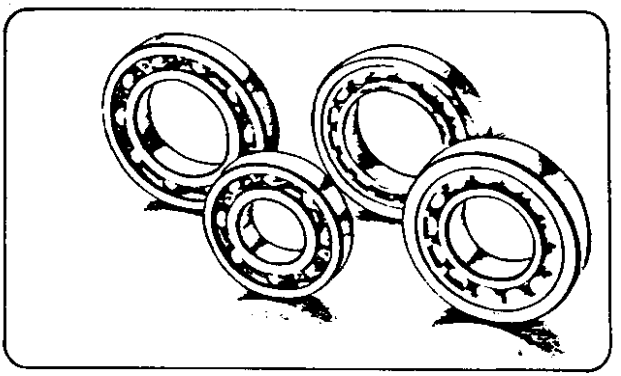

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : **(Opening Shortly)** Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

REG. No L. 7360
Vol. 43. No. 9
Sep 1994

پاکستان کا سب سے زیادہ فروخت ہونے والا

قرشی

جوہر جوشاندہ

فلو، نزلہ، زکام اور گلے کی خراش کا مؤثر علاج

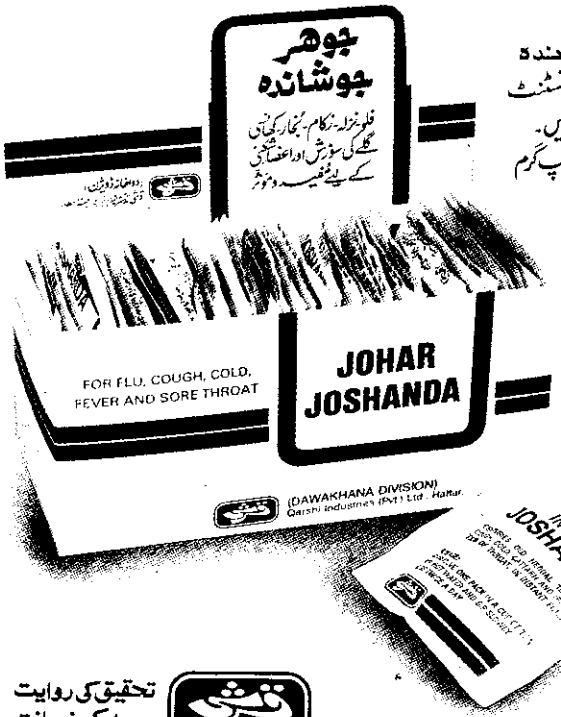

صدیوں سے آزمودہ جوشاندہ
اب فوری حل ہونے والے انسٹنٹ
جوہر جوشاندہ کی شکل میں۔
ترکیب استعمال: ایک کپ گرم
پانی یا چائے میں ایک پیکٹ
جوہر جوشاندہ ملائیں
اور جوشاندہ تیار۔
دن میں دو یا تین پیکٹ
جوہر جوشاندہ
استعمال کریں۔

تحقیق کی روایت
معیار کی ضمانت

قرشی

آسان استعمال
مؤثر علاج